عصرِ حاضر میں کلمہ گو طواغیت کا دفاع کرنے والے

دین فروش علماء اور دانشوروں کی آراء کا شرعی محاکمہ

(يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِه)

’’خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں‘‘

تالیف:

شیخ ابو درداء السواتی حفظہ اللہ

انٹرنیٹ ایڈیشن

عصر حاضر میں کلمہ گو طواغیت کا دفاع کرنے والے
دین فروش علماء اور دانشوروں کی آراء کا شرعی محاکمہ

تالیف: شیخ ابو درداء السواتی حفظہ اللہ

انٹرنیٹ ایڈیشن:

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

http://www.muwahideen.co.nr

http://www.tawhed.co.nr

{انتساب}

عصر حاضر میں مجاہدین کے دو عظیم ترین گروہوں یعنی القاعدۃ الجہاد اور طالبان افغانستان کے نام، کہ جنہوں نے امت کی سربلندی اور دین اسلام کے نفاذ کے خاطر دور نبوی ﷺ کے ”انصار ومہاجرین“ کے نقش قدم کی پیروی کرتے ہوئے ایک عظیم کردار ادا کیا اور قرآن کریم کی اس آیت کے مصداق بن گئے کہ:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ (التوبة: ۷۴)

”اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنہوں نے پناہ دی اور نصرت کی تو یہی لوگ پکے سچے مومن ہیں۔ان کے لئے بخشش اور بہترین رزق ہے“۔

فہرست

مضامین	صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

خلافت عثمانیہ کے سقوط سے قبل جب اس کے شکست وریخت کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے اور یہ بات بھی واضح ہو چکی تھی کہ مسلمانوں کی برائے نام خلافت کا وجود اب ختم ہونے کو ہے اور ان کی رہی سہی شان وشوکت کو بھی اب بٹہ لگنے والا ہے، تو بہت سے صاحب ایمان وفراست علماء اور صلحاء نے اس وقت ہی مسلمانوں اور اسلام کی سربلندی اور شریعت کے نفاذ یا بالفاظ دیگر ''اقامت دین'' کے لئے کام کا آغاز کر دیا تھا اور اس کے لئے مختلف جماعتیں یا گروہ وجود میں آتے رہے، جن میں تحریک شہیدین، ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی اور تحریک ریشمی رومال قابلِ ذکر ہیں۔

پھر برائے نام خلافت کے سقوط کے بعد یہ جذبہ اور نظریہ مسلمانوں کے اندر اور تیزی سے سرائیت کر گیا اور بلادِ اسلامیہ کے اندر اعلاء کلمۃ اللہ اور خلافت کے قیام کے لئے تحریکیں اور جماعتیں وجود میں آئیں جنہوں نے مسلمانوں کے اندر ''اقامت دین'' کے نظریہ کو عام کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔

چونکہ ہم جانتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ اور وقت کے طاغوتی حکمرانوں کو اپنے مفادات اور اقتدار سے حقیقی خطرہ صرف مسلمانوں کے اسی طبقے سے ہوتا جو کہ ''اقامت دین'' کا تصور رکھتا ہو۔ لہٰذا ان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اوّلاً مسلمانوں میں ایسی تحریکیں وجود میں ہی نہ آئیں اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی جائے تو ان کی حتی الامکان یہ کوشش ہوتی ہے کہ ایسی تحریکوں کو صحیح منہج یا راستے سے غیر محسوس طریقے سے ہٹاکر دوسرے غلط اور گمراہ کن طریقوں اور راستوں پر وقت کی ''حکمت ومصلحت'' اور ''جواز'' کے عنوانات کے ذریعے ڈالنے کی کوشش کی جائے۔

بس یہ کام سرانجام دینے میں یہود ونصاریٰ اور کلمہ گو جابر طواغیت کے سب سے بڑے جو معاونین وانصار ثابت ہوتے ہیں، وہ دین فروش علماء سوء اور مغربی دجالی تہذیب سے مرعوب دانشور اور مفکرین ہیں کہ جنہوں نے بڑے خلوص واخلاص کے ساتھ اٹھنے والی بڑی بڑی تحریکوں کو انجان اور اندھیرے راستوں کا مسافر بنادیا جس کا انجام بالآخر گمراہی وضلالات اور {خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ} کے سوا کچھ نہیں۔ ایسے دین فروش علماء اور دانشوروں کو ہم ”آئمۃ المضلّین“ یعنی ”گمراہ کرنے والے قائدین“ سے تعبیر کرسکتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے یہ بات واضح ہے کہ دجال کی آمد سے قبل ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ایسے گمراہ کرنے والے قائدین، دانشور اور نام نہاد محققین پیدا ہوں گے کہ ان کی فتنہ پردازی اور شر انگیزی دجال کے فتنہ سے بھی زیادہ مہلک ثابت ہوگی، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو اس خطرناک فتنے سے خبردار کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَاِنَّ مِمَّا اَتَخَوَّفُ عَلٰی اُمَّتِیْ اَئِمَّةً مُضِلِّیْنَ))

”مجھے سب سے زیادہ خوف اپنی امت کے بارے میں گمراہ کرنے والے قائدین سے ہے“۔

(رواہ ابن ماجه، کتاب الفتن، عن ثوبان رضی اللہ عنہ واسنادہ صحیح)

((أَیُّ شَیْءٍ اَخْوَفُ عَلٰی اُمَّتِكَ مِنَ الدَّجَّالِ؟ قَالَ: اَلْأَئِمَّةَ الْمُضِلِّیْنَ))

”(کسی نے پوچھا) دجال سے بھی زیادہ آپ کو اپنی امت پر کس چیز کا ڈر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا گمراہ کرنے والے اماموں کا“۔ (مسند احمد ج:۵ ص:۱۴۵)

یہاں یہ امر واضح رہے اور عامۃ الناس بھی اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ یہ ”آئمۃ المضلّین“ ”گمراہ کرنے والے آئمہ“ سے صرف وہ رہنما، قائدین اور دانشور مراد نہیں جو کہ کھلم کھلا اور واضح طور پر اسلام سے بیزار ہوں اور اسلام کے احکام و قوانین سے اور اس کے نفاذ سے شدید بغض و عناد رکھتے ہوں، کیونکہ ایسے لوگوں کی اسلام دشمنی عوام الناس پر واضح ہوتی ہے اور ان سے بہت کم ہی لوگ گمراہی کی طرف جاتے ہیں، بلکہ ان سے مراد وہ رہنما، قائدین، دانشور، اسکالر، محققین اور وارثین

انبیاء کے دعوے دار وہ علمائے سوء ہیں جو بظاہر اپنا ناطہ و رشتہ تو قرآن و حدیث سے جوڑتے ہیں اور ان کے "خدّام" ہونے کے دعوے دار ہوتے ہیں ،اس کے ساتھ عقل و دانش ،فصاحت و بلاغت اور خطیبانہ انداز میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے، مگر شریعت اسلامی کے وہ احکام و قوانین جن پر امت کے عروج و زوال بلکہ موت و زندگی کا سوال ہے، اور جن کے بارے میں قرآن و حدیث کے نصوص بالکل واضح و مبین ہیں اور جن میں کسی کلام یا رائے کی گنجائش نہیں۔ اُن کو بھی :

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
کس قدر بے توفیق ہوئے فقیہانِ حرم

کے مصداق علمائے یہود کی طرح:

﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾ (المائدۃ:۱۳)

"وہ کلمات (شریعت) کو اپنے مقامات سے پھیر دیتے ہیں "۔

اور ان تمام افعال سے ان کا مقصود و مطلوب صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا کے تمام مادّی و مالی فوائد سے مستفید ہو سکیں ، اور اپنی جاہ و مسند کو بچانے کی خاطر اُن حکمرانوں کے مسلمان ہونے اور ان کی حکمرانی کے جائز ہونے کے جھوٹے اور گمراہ کن دلائل ڈھونڈیں جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف اپنا حکم نافذ کر رہے ہوں اور جن کی اسلام و مسلمان دشمنی اور یہود و نصاریٰ سے دوستی کسی سے پوشیدہ نہ ہو۔ اس کے باوجود وہ اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے ہمدرد اور غم خوار کے طور پر اپنی عظیم الشان مسندوں اور عہدوں پر قائم رہیں۔ ایسے "آئمۃ المضلّین" کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے امت کو پہلے ہی خبر دار کر دیا تھا۔

چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قرب قیامت ایسے آئمۃ المضلین کے بارے میں خبر دی تھی کہ وہ حامل قرآن ہونے کے دعوے دار ہوں گے مگر قرآن کی آیات کو ان کے مقام سے پھیر کر اہل ایمان سے ناحق جدال کریں گے اور ان علماء کی اکثریت

منافقین پر مشتمل ہو گی۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے ان سے دور رہنے اور دین کے معاملے میں ان کے پیچھے چلنے سے منع کیا ہے:

((عن ابي عبيده بن الجراح رضي الله عنه عن النبي ﷺ انه قال ماالخاف عليكم بعدى مؤمناولا كافرا أما المؤمن فيحبسه ايمانه واما الكافر فقد اذله الله بكفره ولكن اخاف عليكم منافقا عالم اللسان جاهل القلب يتكلم بما تعرفون ويفعل ماتنكرون))

"حضرت ابی عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نہیں ڈرتا تم پر اپنے بعد نہ کسی مومن سے اور نہ کسی کافر سے۔ پس جو مومن ہو گا وہ اپنے ایمان کو بچا کر رکھے گا اور جو کافر ہو گا اللہ تعالیٰ اس کے کفر کی وجہ سے اس کو ذلیل کر دے گا لیکن مجھے خوف ہے تم پر اس منافق عالم سے جو زبان کا تو عالم ہو مگر دل کا جاہل ہو۔ زبان سے بات وہ کرے گا جس کو تم نہیں جانتے ہوگے اور عمل بھی وہ کرے گا جس کو تم نہ جانتے ہوگے (یعنی جس کی دلیل نہ قرآن میں ہو گی نہ سنت میں)"۔

(مسند الربیع ج:۱ص:۳۶۲ رقم الحدیث:۹۳۵)

((عن زياد بن حدير قال قال لي عمر ثم هل تعرف ما يهدم زلة الاسلام ؟ قال قلت لا، قال يهدم العالم وجدال المنافق بالكتاب وحكم الائمة المضلين))

"حضرت زیاد بن حدیر فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ کیا چیز اسلام کو ڈھا دیتی ہے (اور اس کی) ذلت کا باعث بنتی ہے؟ میں نے ان سے کہا میں نہیں جانتا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عالم کا راہِ حق سے گرنا اور منافق کا (بندۂ مومن سے) قرآن کے ساتھ جھگڑا کرنا اور گمراہ کرنے والے حکمرانوں کا فیصلہ کرنا"۔(سنن الدارمی ج:۱ص:۸۲، رقم الحدیث۲۱۴)

((عن زياد بن حدير قا ل قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان اخوف ما اخاف عليكم ثلاثة منافق يقرا القرآن لا يخطيء فيه واوا ولا الفا يجادل الناس انه اعلم منهم ليضلهم عن الهدى و زلة عالم وائمة مضلون))

”حضرت زیاد بن حدیر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے تم پر تین منافقین سے سب سے زیادہ ڈر ہے۔ ایک اس سے جو قرآن کریم پڑھے، نہ واؤ کی غلطی کرے اور نہ الف کی۔ دوسرا اس سے جو مسلمانوں سے اس طرح جدال کرے جیسا کہ وہ سب سے زیادہ جاننے والا (عالم) ہے، تا کہ ان کو سیدھے راستے سے گمراہ کر دے اور تیسرا عالم کا (راہ حق سے) پھسلنا اور گمراہ کرنے والے حکمران“۔

(صفة المنافق ج:اص:۵۴، رقم الحديث:۲۹)

((وعن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اياكم وثلاثة زلة عالم وجدال منافق بالقرآن ودنيا تقطع اعناقكم فأما زلة عالم فان اهتدى فلاتقلدوه دينكم))

”بچاؤ اپنے آپ کو تین چیزوں سے، عالم کے راہِ حق سے پھسلنے اور قرآن کے ساتھ منافق کا جھگڑا کرنے اور اس دنیا سے جو تمہاری گردنوں کو کاٹ دے گی۔ پس جب کوئی عالم راہ حق سے پھسلتا ہے جبکہ اس پر ہدایت واضح کی جاچکی ہو تو تم اپنے دین کے معاملے میں اس کی پیروی نہ کرو“۔

(الطبرانی فی الاوسط، مجمع الزوائد، باب ما يخاف على الامة من ذلة العالم وجدال المنافق وغير ذلك ج:اص۱۸۶)

((وعن عقبة ابن عامر قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: اكثر منافقى امتى قراؤها))

”حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے منافقین کی اکثریت علماء (سوء) پر مشتمل ہو گی“۔

(الطبرانی واحد اسانید احمد ثقات اثبات، مجمع الزوائد ج:٦ ص:٢٢٩، مسند احمد ج:٢ ص:١٧٥، رقم الحدیث: ٦٦٣٤، ٦٦٣٣)

((ثم اکثر منافقی هذه الامة قراؤها))

"اس امت کے اکثر منافقین علماء (سوء) ہونگے"۔ (مسند احمد ج:٤ ص:١٥٥)

امام عبد اللہ ابن مبارک رحمہ اللہ نے جب ہی فرمایا تھا:

وما افسد الدين الا الملوك

واحبارُ سوء و رهبانُها

"دین میں جو بھی خرابی بھی آتی ہے وہ تین اطراف سے آتی ہے، بادشاہوں کی طرف سے، علماء سوء کی طرف سے اور بُرے صوفیوں کی طرف سے"۔

بس ان ہی "آئمۃ المضلّین" کے مصداق پاکستان میں بھی ایسے دین فروش علماء اور دانشور و مفکرین کی کمی نہیں جو کہ کلمہ گو طواغیت کے دفاع کرنے اور عوام الناس کو راہ حق سے بھٹکا کر "آئمۃ المضلّین" "گمراہ کرنے والے قائدین" کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک نام "حافظ محمد زبیر صاحب" کا ہے جو کہ اب "ڈاکٹر" ہونے کے دعوے دار بن چکے ہیں۔ چنانچہ حافظ محمد زبیر صاحب تنظیم اسلامی کے بانی ڈاکٹر اسرار احمد کی قائم کردہ ادارے انجمن خدام القرآن کے تحت چلنے والی قرآن اکیڈمی سے وابستہ ہیں اور وہاں ریسرچ و تحقیق کے عنوان پر اتائی ڈاکٹر کی مانند دین اسلام کی چیڑ پھاڑ میں مصروف ہیں۔

حال ہی میں حافظ صاحب نے ایک کتاب "عصر حاضر میں تکفیر، خروج جہاد اور نفاذِ شریعت کا منہج" تصنیف فرمائی ہے۔ جس میں انہوں نے انتہائی مکاری و عیاری مگر حقیقتاً انتہائی بھونڈے انداز میں عصر حاضر کے کلمہ گو طواغیت اور ان کی افواج کا دفاع کرنے کی ناکام کوشش کی ہے گو کہ اس سے پہلے بھی کئی ایک مضامین حافظ صاحب اس مقصد کے تحت لکھ چکے ہیں۔ جن میں سے ایک مضمون "پاکستان

کی جہادی تحریکیں: ایک تاریخی و تحقیقی جائزہ“ کے عنوان سے ماہنامہ الشریعۃ کی دسمبر ۲۰۰۸ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ جس کا مدلل جواب شیخ عبد الفرقان رحمانی حفظہ اللہ نے ”عصرِ حاضر میں آئمۃ المضلین کی گمراہیاں اور سلف کا منہج“ کے عنوان سے دیا تھا۔ جس کو ادارہ بیت الحمید نے شائع کیا تھا جو کہ مجاہدین کے شرعی موٴقف کو بیان کرنے والے ادارے ”الموحدین لائبریری“ کی ویب سائٹ پر اب بھی موجود ہے۔ شیخ عبد الفرقان رحمانی حفظہ اللہ نے اس کتاب میں بعض حکمتوں کے پیش نظر حافظ صاحب ؔ کا نام لئے بغیر ان کے نظریات و افکار کا رد کیا تھا۔ اسی طرح حافظ صاحب کے ہم خیال و ہم رکاب انجینئر نوید احمد صاحب نے جو کہ انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی کے اہم رہنماؤں اور شوریٰ کے رکن میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے گزشتہ دنوں 22 فروری 2013ء جامع مسجد طیبہ، کورنگی ،کراچی میں دیئے جانے والا خطبۂ جمعہ میں حافظ زبیر صاحب کے نظریات و افکار کو اپناتے ہوئے طواغیت وقت کا بھونڈے انداز میں دفاع کرنے کی کوشش کی ۔ جس کا جواب ہمارے محترم شیخ مولانا اسد اللہ قاسمی ؔ حفظہ اللہ نے بھرپور انداز میں دیا۔ جو کہ ادارہ فہم السنۃ کے زیر اہتمام ”انجینئر نوید احمد کے باطل نظریات کا شرعی محاکمہ“ کے عنوان سے شائع ہوا جو کہ الموحدین لائبریری کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔

لیکن لگتا ایسا ہے کہ حافظ محمد زبیر صاحب جیسے مفکرین و دانشوروں نے کلمہ گو طواغیت کا مرتے دم تک دفاع کرنے کا حلف اٹھا رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ عرصے کی خاموشی کے بعد حافظ صاحب ؔ اپنی نئی کتاب ”عصر حاضر میں تکفیر، خروج جہاد اور نفاذِ شریعت کا منہج“ کے ساتھ میدان میں اترے ہیں کہ شاید اب وہ اپنی فریب کاریوں اور علمی خیانتوں کی بدولت کلمہ گو طواغیت کا دفاع کرنے اور مجاہدین کے موٴقف کو غلط ثابت کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے......!!

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حافظ صاحب جیسے گمراہ کن مفکرین اور دانشور قیامت تک ایسی کتابیں لکھتے لکھتے مر جائیں گے مگر ہر بار ان کے مقدر میں ذلت ورسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا اور ہر بار

مجاہدین ہی شرعی بنیادوں پر سرخروں ہوں گے اور ان کا منہج ہی عین دین اسلام ثابت ہو گا۔ کیونکہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

((مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَلَا تَزَالُ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ عَلَى مَنْ نَاوَأَهُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ))

”اللہ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ دیدیتا ہے اور (جو دین کی بات کو سمجھ گیا تو اس سے یہ بات مخفی نہیں کہ) قیامت تک مسلمانوں میں سے ایک جماعت حق پر لڑتی رہے گی اور اپنے سے الجھنے والوں پر غالب رہے گی۔“

(صحیح مسلم، ج:۱۰، ص:۴۱، رقم الحدیث:۳۵۴۹)

بس حافظ صاحب کی علمی خیانتوں اور بددیانتوں سے بھرپور کتاب ’عصر حاضر میں تکفیر، خروج جہاد اور نفاذِ شریعت کا منہج“ کا رد آپ کے سامنے پیش خدمت ہے۔ جس میں حافظ صاحب کی علمی بددیانتوں، خیانتوں اور شرعی احکامات میں جو ترمیم و تخفیف اور الحاد کی جو راہ حافظ صاحب نے اپنائی ہے اس کا پردہ چاک کیا ہے اور اس ضمن میں جو اصل احکامِ شرعیۃ ہیں ان کو بدلیل و برہان واضح کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری اس مساعی کو قبول فرمائے اور اس کو مسلمانوں اور اسلام کی سربلندی میں معاونت کا ایک ذریعہ بنائے۔ آمین!

آخر میں حافظ محمد زبیر صاحب ان جیسے دیگر درباری علماء و دانشور جنہوں نے مسلم علاقوں پر مسلط طواغیت کی حمایت کا بیڑہ اٹھایا ہوا ہے اور اس کے ساتھ وہ مذہبی جماعتوں کے قائدین بھی (چاہے وہ سیاسی ہوں یا جہادی) جنہوں نے ایک طرف جہاد فی سبیل اللہ کو آئی ایس آئی کی رضامندی کے لئے صرف افغانستان و کشمیر تک مقید کر کے رکھا ہوا ہے، اور دوسری طرف وہ مسلم علاقوں پر مسلط طواغیت کے خلاف جہاد کرنے والوں کو گمراہ و باغی قرار دیتے ہیں، ہم ان کو اللہ تعالیٰ سے ڈراتے ہوئے مجاہدین کیخلاف جھوٹے پروپیگنڈے کرنے سے باز آنے اور توبہ کرتے ہوئے حقیقی معنوں میں اسلام کے نفاذ کے لیے جدوجہد کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

اگر یہ اب بھی باطل کا دفاع کرنے اور اہل حق کیخلاف زبان درازیاں کرنے سے باز نہیں آتے ہیں تو پھر مسلم عوام کو ان سے اعلان براءت کرتے ہوئے خبردار رہنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ کیونکہ یہی وہ علمائے سوء ہیں، جن کی زبانیں اور قلم تقاریر و فتاویٰ کی صورت میں دن رات ایجنسیوں کی قید سے آزاد سچے اور پاکباز مجاہدین کے خلاف زہر اگلتی رہتی ہیں، مگر امریکہ اور اس کے اتحادی مرتدین کیخلاف ایک لفظ بھی انہیں لکھنے اور بولنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ غرضیکہ ان کی ساری توانائیاں صرف امریکہ کے پاکستان پر مسلط جمہوری سیکولر نظام اور اس کی محافظ ناپاک آرمی کا دفاع کرنے اور القاعدۃ وطالبان مجاہدین اسلام کیخلاف زہر اگلنے میں صرف کرنے میں مصروف ہیں۔

ان علمائے سوء کی مثال تو ان علمائے یہود کی ہے کہ جنہوں نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ قریش مکہ بدترین اور واضح کفر و شرک میں مبتلاء ہیں اور ان کے مقابلے میں مسلمان کسی درجے عقیدے اور توحید کے معاملے میں ان سے قریب ہیں، مسلمانوں کی بنسبت کفار مکہ کو زیادہ ہدایت یافتہ قرار دے دیا تھا۔ قرآن کریم نے ایسے علماء چاہے وہ بنی اسرائیل کے علمائے یہود ہو یا اس امت کے علمائے سوء ان کو بتوں اور طواغیت کا بچاری قرار دیا ہے:

{اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۗءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلاً ، اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا} (النسآء:۵۱)

”کیا آپ نے دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا ہے؟ جو ایمان لاتے ہیں بتوں اور طاغوت پر اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ان کے حق میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں سے زیادہ راہِ راست پر ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جسے اللہ لعنت کرے تو تم اس کا کوئی مددگار نہ پاؤ گے“۔

بس یہی وہ علمائے سوء ہیں جن کو قرآن گدھے اور کتے سے بھی بدتر قرار دیتا ہے، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے علماء کو خود بھی گمراہ اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والے جہنم کے داعیان قرار دیا ہے۔

اس لیے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ایسے علمائے سوء کے نصیب میں اگر ہدایت موجود ہیں تو اللہ تعالیٰ جلد ان کو ہدایت سے سرفراز فرمائے، اور اگر ان کے نصیب میں ہدایت نہیں ہے تو پھر ان کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے اور ان کے مکر و فریب اور تلبیس کو دنیا کے سامنے بے نقاب کردے اور ان کے وجود سے زمین سے کو پاک کر کے ان کو عبرت کا نشان بنادے۔ آمین

شیخ ابو درداء السواتی عفی اللہ عنہ

ابتدائیہ

حافظ محمد زبیر صاحب کی کتاب ''عصر حاضر میں تکفیر، خروج جہاد اور نفاذِ شریعت کا منہج'' کا تعارف تو کتاب کے پیش لفظ میں پیش کیا جاچکا ہے۔ لہٰذا اب موصوف کی کتاب کا شرعی طور پر جائزہ لیں گے۔ چناچہ اس کے لئے ہم نے اپنی کتاب ''خود بدلتے نہیں' قرآن کو بدل دیتے ہیں'' کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے جس کے تحت ہم تمام امور کو سمجھنے کی کوشش کریں گے:

(۱)... نظری مسائل:

ہم نے اپنی کتاب کے اس حصے میں حافظ صاحب نے جن مختلف مسائل میں شرعی و فقہی احکامات کے بیان میں جو ترمیم و تخفیف کی ہے اوران کے بیان کرنے میں جن علمی خیانتوں کے مرتکب ہوئے ہیں ان کا پردہ فاش کیا ہے اور اس کے مقابل ان مسائل میں قرآن و سنت کے فہم کو سلف و صالحین کی زبانی بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ ان مسائل میں شریعت کے اصل اور صحیح احکامات واضح ہو سکیں۔

(۲)... عملی مسائل:

حافظ صاحب نے اپنی علمی بد دیانتی اور شرعی احکامات میں ترمیم و تخفیف و الحاد کر کے عملی معاملات و مسائل میں اپنے فہم کے مطابق جو نتائج اخذ کئے ہیں اور اس بنیاد پر انہوں نے شریعت کے نفاذ اور مسلمانوں کے جان و مال کے تحفظ کے لئے جہاد کرنے والے مجاہدین اسلام کے منہج کو غیر اسلامی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، یہاں تک کہ حافظ صاحب نے اپنے خبث باطن سے مجبور ہو کر اسلام کے ان شیروں کو گمراہ، باغی اور خارجی قرار دے دیا۔ چناچہ ہم نے اپنی کتاب کے دوسرے حصے میں عملی معاملات و مسائل سے متعلق شرعی احکامات کو واضح کیا ہے بلکہ اس کے متعلق جو عقلی و منطقی نتائج سامنے آتے ہیں، ان پر بھی کلام کیا ہے اور اس معاملے میں بھی حافظ صاحب کی ناقص عقلی اور مخبوط الحواسی کو واضح کیا ہے۔

شیخ ابو درداء السواتی عفی اللہ عنہ

{نظـــری مســـائل}

پہلا نظری مسئلہ

کیا اللہ کی نازل کردہ شریعت خلاف حکومت کرنا مطلق طور پر کفر دون کفر ہے......؟؟

حافظ صاحب اپنی کتاب میں سورۃ المائدۃ کی آیت 42 کے ضمن میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ الحکم بغیر ما انزل اللہ کے حکومت کرنا مطلق طور پر "کفر دون کفر" ہے یعنی ایسا کفر جو حقیقی کفر نہیں ہے۔ چناچہ وہ لکھتے ہیں:

{"حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ نے ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ کو "مطلق" طور پر کفر دون کفر پر محمول کیا ہے یعنی ایسا کفر جو حقیقی کفر نہیں ہے"۔}

پھر حافظ صاحب اس کی دلیل میں مستدرک حاکم کی ایک روایت نقل کرتے ہیں:

{((قال ابن عباس رضی الله عنه:انه ليس بالكفر يذهبون اليه انه ليس كفرا ينقل عن الملة ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ كفر دون كفر))

"حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: جس کو وہ اختیار کرتے ہیں وہ کفر نہیں ہے۔ بے شک وہ ایسا کفر نہیں ہے جو ملت اسلامیہ سے خارج کر دے۔ اور آیت مبارکہ میں کفر دون کفر یعنی ایسا کفر جو کفر حقیقی نہیں ہے، کا ذکر ہے"۔

(مستدرك حاكم :ج۷ص۳۵۱) }

حافظ صاحب کے درج بالا کلام سے یہ بات واضح ہوئی کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلے کرنا ''مطلق'' طور پر کفر دون کفر ہے یعنی ایسا کفر جو حقیقی کفر کے زمرے میں نہیں آتا۔ پھر اس کی دلیل میں انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا جو کہ ان کے نزدیک کفر دون کفر کو مطلق طور پر ثابت کرتا ہے۔

حافظ صاحب ؒ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے درج بالا قول سے یہ استدلال کرنے کی کوشش کی کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس روایت میں کفر دون کفر کو ''مطلق'' طور پر بیان کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو احادیث کے علم سے واقف ہو اس کے لئے یہ بات نئی نہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس روایت کو نقل کرنے والے راوی ہشام بن حجیر کو ثقہ ائمہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ چناچہ ہشام بن حجیر کی اس روایت کی کسی نے پیروی نہیں کی۔ امام احمد رحمہ اللہ ہشام کے بارے میں کہتے ہیں:

''وہ قوی نہیں، ضعیف الحدیث ہیں اور یہ روایت کے لحاظ سے طعن ہے''۔

ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا:

''سچا آدمی ہے مگر وہمی ہے''۔

یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ نے بھی اُسے ضعیف کہا ہے اور اس کی حدیث کو قبول نہیں کیا۔ اسی طرح علی بن مدینی رحمہ اللہ نے ضعیف کہا اور عقیلی رحمہ اللہ نے اُن کو ضعفاء میں ذکر کیا ابن عدی رحمہ اللہ نے بھی ضعفاء میں ذکر کیا۔

دوسری حقیقت اس روایت سے متعلق یہ ہے کہ اس روایت میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول کسی صورت بھی کفر دون کفر کو مطلق طور پر ثابت نہیں کر رہا ہے۔ جیسا کہ روایت میں منقول الفاظ:

''انه ليس بالكفر يذهبون اليه''

''جس کو وہ اختیار کرتے ہیں، یہ وہ کفر نہیں ہے''

اس روایت میں ''یذھبون الیہ'' کا جملہ دراصل خوارج اور ان کے متبعین سے خطاب ہے۔ لہٰذا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول ان آیات کی تفسیر نہیں بلکہ خوارج کی غلطی کی نشاندہی اور اصلاح کے لئے ہے۔

چناچہ اس قول میں دراصل ''خوارج'' کے اس باطل استدلال اور غلط فہمی کا رد ہے، جس میں انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اپنے باہمی تنازعات واختلافات کے فیصلے کے لئے دو جلیل القدر صحابہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو فیصلہ کرنے والا مقرر کرنے کی بناء پر ان حضراتِ صحابہ کے بارے میں یہ کہا تھا کہ یہ حکمتم الرجال ''یعنی تم نے انسانوں کو فیصلے کرنے کا اختیار دیدیا ہے''۔ حالانکہ ہر شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ خوارج کی یہ رائے غلط تھی، اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف بالفرض اگرچہ ایک دوسرے پر ظلم کا سبب بھی بنا ہو مگر کفر نہیں تھا کہ انہیں ملت سے خارج کر دیتا۔ چناچہ اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ:

''انہ لیس الکفر الذی یذھبون الیہ''

''جس کو وہ اختیار کرتے ہیں، یہ وہ کفر نہیں ہے''

پس ثابت ہوا کہ یہ قول کسی صورت بھی اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلے کرنے کو ''مطلق'' طور پر کفر دون کفر پر محمول نہیں کرتا۔ علامہ احمد محمد شاکر رحمہ اللہ ''عمدۃ التفسیر'' کی تعلیق میں فرماتے ہیں:

''ہمارے زمانے کے ''گمراہ'' لوگ جو عالم کہلاتے ہیں، ان کیلئے یہ آثار کھلونا بنے ہوئے ہیں۔ وہ ان آثار سے ''وضعی قوانین'' (یعنی وہ قوانین جو کہ خود وضع کئے گئے ہوں) کے جواز کی دلیل لیتے ہیں جو آجکل اسلامی ممالک میں نافذ کئے جارہے ہیں''۔(عمدۃ التفسیر :۴/۱۵۶)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: ''رسالۃ فی الطواغیت'' ابو عبد الرحمن الاثری رحمہ اللہ، ''امتاع النظر'' ابو محمد عاصم المقدسی حفظہ اللہ اور شیخ حمود عقلاء الشعیبی رحمہ اللہ کا رسالہ ''الحکم الحکام المحکمین للقوانین الوضعیۃ''۔

چناچہ حافظ صاحب کے اس نظریئے کا رد وہ صحیح روایات بھی کرتی ہیں جن میں صحابہ اور سلف صالحین نے اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلے کرنے والوں کو مطلق طور کفر یا پھر ایسا کرنے والے کو کافر قرار دیا ہے۔ چناچہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ عبد اللہ بن طاؤس رحمہما اللہ روایت کرتے ہیں کہ:

کسی نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ ''جو اللہ کے نازل کردہ کلام کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی لوگ تو کافر ہیں۔'' کے بارے میں سوال کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ھی کفر ''یہی کفر ہے''۔ دوسری جگہ الفاظ ہیں ھی بہ کفر ''یہی تو اللہ کے حکم کا کفر ہے'' ایک اور جگہ ان کے الفاظ ہیں کفی بہ کفر ''یہی عمل اس کے کفر کے لئے کافی ہے''۔

اس روایت کو عبد الرزاق رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں بھی اور امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں اور وکیع نے اخبار القضاۃ میں اس کو ذکر کیا ہے۔ چناچہ سند صحیح سے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہی قول ثابت ہے کہ انہوں نے الحکم بغیر ما انزل اللّٰہ کو ''کفر مطلق'' کہا ہے۔ چناچہ اس بات کی تائید سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی ہوتی ہے:

''عن مسروق قال كنت جالسا عند عبد الله فقال له رجل ما السحت؟ قال الرشا، فقال في الحكم؟ قال ذاك الكفر، ثم قرأ: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾۔''

''مسروق سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں میں بیٹھا ہوا تھا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس تو ایک شخص نے اِن سے پوچھا السحت'' سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ''رشوت''۔

پوچھنے والے نے کہا کہ اس کے ساتھ تحکیم کرنا کیسا ہے؟ فرمایا: ”فیصلہ کرنا ہی تو کفر ہے“ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ”جو کوئی اللہ کے نازل کردہ کلام کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہی لوگ تو کافر ہیں“۔

(مسند ابی یعلیٰ، ج:۱۱ص:۲۹رقم:۵۱۴۳۔ مجمع الزوائد، ج:۴ص:۱۹۹۔ المعجم الکبیر الطبرانی، ج:۸ص:۱۵۳رقم:۹۰۰۰۔ شعب الایمان للبیہقی، ج:۱۱ص:۴۸۲رقم:۵۲۶۲۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج:۱۰ص:۱۳۹۔ الابانۃ الکبریٰ لابن بطۃ، ج:۳ص:۱۲۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ:

''عن علی رضی اللہ عنه انه سئل عن السحت؟ فقال الرشاء فقیل له فی الحکم قال ذاك الکفر''۔

”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ السحت“ سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے کہا کہ رشوت۔ اس نے کہا کہ اس کے ساتھ حکم کرنا کیسا ہے؟ فرمایا ”یہ کفر ہے“۔ (کنز العمال، ج:۲ص:۴۰۲)

بہت سے لوگوں کو یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ یہ آیات صرف یہود و نصاریٰ کے لئے نازل ہوئی تھی۔ یہ ہی بات کسی نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما سے کہی تو انہوں نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

((عن همام قال کنا عند حذیفة فذکروا ﴿وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ﴾ فقال رجل من القوم ، ان هذا فی بنی اسرائیل فقال حذیفة رضی الله عنه نعم الاخوة لکم بنو اسرائیل ان کان لکم الحلو ولهم المر، کلا والذی نفسی بیده حتی تحذوا السنة بالسنة حذو القذة بالقذة))

”ہمام سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں ہم حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے پاس تھے۔ پس ذکر ہوا اس آیت کے بارے میں کہ ”جو کوئی اللہ کے نازل کردہ کلام کے مطابق

فیصلہ نہ کرے تو وہی لوگ تو کافر ہیں“۔ پس کہا قوم میں سے ایک شخص نے کہ یہ آیات تو بنی اسرائیل کے متعلق نازل ہوئی تھی، تو حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”کتنے اچھے بھائی ہیں تمہارے لئے بنی اسرائیل کہ میٹھا میٹھا سب تمہارے لئے اور کڑوا کڑوا سب ان کیلئے ہر گز نہیں! اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم انہی کے طریقے پر قدم بقدم چلو گے“۔

(الابانة الکبریٰ لابن بطة ، ج:۳ص:۳۵رقم:۱۰۱۱۔تفسیر ابن ابی حاتم ، ج:۲۲ ص:۲۹۵رقم:۶۴۶۴۔مستدرك الحاکم،ج:۷ص:۳۵۰رقم:۳۱۷۵۔هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاه)

صحیح کہا تھا حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے کہ تم یہود کے قدم بہ قدم چلو گے! اور آج بالفعل یہی ہو رہا ہے کہ ایک طرف بلاد اسلامیہ پر مسلط طواغیت دھڑلے سے اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف حکومت کر رہے ہیں تو دوسری طرف علمائے یہود کی مانند آج کے علمائے سوء ان حکمرانوں کے لئے ضعیف اور مبہم کلاموں سے ان کی ولایت کے لئے سند جواز ڈھونڈتے ہیں۔

دوسرا نظری مسئلہ

کیا آج کے حکمرانوں کا طرز عمل کفر دون کفر کا مصداق ہے......؟؟

حافظ صاحب لکھتے ہیں:

{”حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ تقریباً ناممکن ہے کہ ایک مسلمان حکمران جانتے بوجھتے اللہ کے حکم کا مذاق اڑائے یا اس کو غیر ضروری سمجھے۔ جب بھی کوئی مسلمان حکمران اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرے گا تو یا تو اس میں جہالت مانع ہو گی یا کوئی اور ایسا دنیاوی عذر مثلاً دشمن کا ڈر یا خوف وغیرہ ہو گا جو اس کے اس کفریہ فعل کو کفر حقیقی کے درجے سے نکال کر کفر مجازی اور کفر عملی میں داخل کرے گا“۔}

چناچہ حافظ صاحب نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے قول سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی کہ کلمہ گو حاکم کبھی بھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ اللہ کی شریعت کا مذاق اڑائے یا پھر اس کو غیر ضروری سمجھے۔ ساتھ میں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کوئی حاکم بظاہر ایسا کر بھی رہا ہے تو وہ کسی دنیاوی ڈر اور خوف کی بناء پر یا پھر جہالت کی بناء پر ایسا کر رہا ہو گا جو کہ اس کو کفر حقیقی سے نکال کر کفر مجازی یا کفر عملی میں داخل کرے گا۔ یعنی اگر کوئی حاکم کتنا ہی اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلے کرے ہم اس کو کفر مجازی یا کفر عملی پر ہی منطبق کریں گے۔

چناچہ اب ہم اس نکتے پر تھوڑی تفصیل میں بات کریں گے تاکہ اس معاملے میں جو اصل حقائق ہیں وہ سامنے آجائیں اور اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلے کرنے والے حکمران کے بارے میں جو تفصیلی احکام ہیں وہ بھی واضح ہو جائیں اور اس ضمن میں آج کے حکمرانوں کا جو طرز عمل ہے اس کے بارے میں بھی وضاحت ہو جائے کہ ان پر کس قسم کا اطلاق ہو گا؟ آیا کفر حقیقی یا کفر مجازی......؟؟

یہ بات تو واضح ہو چکی کہ سلف و صالحین نے اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلے کرنے والے کو مطلق طور کفر دون کفر نہیں بلکہ ”عین الکفر“ قرار دیا ہے۔ یعنی جو شخص بھی اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلے کرے گا وہ کافر تصور ہو گا۔ فقہاء کی اس تعریف کو ہم ”تکفیر مطلق“ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

لیکن اب ہم اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلے کرنے کی بنیاد پر کسی بھی حکمران پر ”تکفیر معین“ کے ضمن میں سلف و صالحین نے جو تفصیل بیان کی ہے اس کو سمجھ لیتے ہیں اور اس ضمن میں موجودہ زمانے کے حکمرانوں کے طرز عمل کا جائزہ بھی لے لیتے ہیں کہ وہ سلف صالحین کی بیان کردہ تفصیل میں کس قسم پر صادق آتے ہیں......!!

اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ سلف وصالحین جب اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلے کرنے والے حاکم کے بارے میں تفصیل میں جاتے ہیں تو وہ بعض صورتوں میں وہ حاکم کے اس فعل کو ”کفر اکبر“ سے تعبیر کرتے ہیں یعنی ایسی صورت میں وہ حاکم کافر قرار پائے گا اور بعض صورتوں میں اس کو کفر اکبر سے تعبیر نہیں کرتے یعنی ایسی صورت میں وہ حاکم کافر نہیں قرار پائے گا۔

کفر اکبر کی صورتیں:

چناچہ سب سے پہلے ہم اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلے کرنے کی ان صورتوں کو سمجھ لیتے ہیں جن کی بنیاد پر سلف صالحین نے ان صورتوں کو ”کفر اکبر“ سے تعبیر کیا ہے اور ان پر ایک حاکم کی ”تکفیر معین“ بھی کی ہے۔ چناچہ اگر سلف صالحین کے کلام کا جائزہ لیا جائے تو پانچ بنیادی صورتیں سامنے آتی ہیں کہ جن کو سلف صالحین نے ”کفر اکبر“ سے تعبیر کیا ہے اور جو سب کے نزدیک متفقہ ہیں:

(ا)...اللہ کی نازل کردہ شریعت کے کسی حکم کا انکار کر دے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((من جحد ما أنزل الله فقد كفر))

"جس نے جانتے بوجھتے اللہ کے نازل کردہ حکم کا انکار کیا اس نے کفر کیا"۔

(التفسير الطبري ، ج:۱۰ص:۳۵۷)

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وكذلك القول في كل من لم يحكم بما انزل الله جاحداً به ، هو بالله كافر كما قال ابن عباس رضي الله عنه''

"پس اسی طرح کا معاملہ ہر اس شخص کے ساتھ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کو جانتے بوجھتے انکار کر دے تو اس کا یہ فعل اللہ کے انکار کے مترادف ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے سے متعلق بیان کیا ہے"۔(التفسير الطبري ، ج:۱۰ص:۳۵۸)

امام سمعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ومن لم يحكم بما انزل الله ردا وجحدا فأولئك هم الكافرون''۔

"جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم کو رد کرتے ہوئے انکار کر دے تو وہ کافر ہے"۔

(تفسير السمعاني)

سعودی عرب کے مشہور عالم دین شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ اپنی کتاب "تحکیم القوانین" میں لکھتے ہیں:

''ان الحاكم بغير ما انزل الله كافرا اما كفر اعتقاد ناقل عن الملة واما كفر عمل لا ينقل عن الملة۔ اما الأول: وهو كافر الاعتقاد فهو انواع ؛ أحدها: ان يجحد الحاكم بغير ما انزل الله أحقية حكم الله و رسوله''۔

"اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ فیصلے کرنے والا حاکم کافر ہوتا ہے اور اس کا کفر بعض صورتوں میں اسے دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے اور بعض صورتوں میں اسے خارج نہیں کرتا۔ پہلی صورت کو ہم اعتقادی کفر کا نام دیتے ہیں اور اس کی درج ذیل قسمیں ہیں: پہلی

قسم تو یہ ہے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ فیصلے کرنے والا حاکم' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے حق ہونے کا ہی انکار کر دے"۔

(۲)... اللہ کی نازل کردہ شریعت کو حق جانتے ہوئے غیر اللہ کے قوانین کو ان سے بہتر سمجھے:

علماء کے مشہور و معروف اور بنیادی نواقض اسلام میں چوتھا یہ ہے کہ:

"جو شخص یہ سمجھے کہ کوئی ہدایت یا قانون نبی کریم ﷺ کی ہدایت اور شریعت و قانون سے جامع تر یا مکمل تر ہے یا یہ کہ کسی اور کا حکم و قانون آپ ﷺ کے حکم و قانون سے بہتر ہے مثلاً وہ شخص جو طاغوتوں کے حکم و قانون کو نبی کریم ﷺ کے فیصلے اور آپ ﷺ کے قانون پر ترجیح دے، تو ایسا شخص کافر ہے"۔

(نواقض الاسلام - امام ابن عبد الوهاب رحمه الله)

شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ اپنی کتاب "تحکیم القوانین" میں لکھتے ہیں:

''الثانی: ألا يجحد الحاكم بغير ما انزل الله كون حكم الله ورسوله حقا لكن اعتقد أن يحكم غير الرسول احسن من حكمه وأتم وأشمل''۔

"(کفر اعتقادی کی) دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ فیصلہ کرنے والا حاکم' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کو تو حق مانتا ہو لیکن اس کا اعتقاد یہ ہو کہ اس کے سوا جو حکم ہے وہ (اللہ اور اس کے) رسول کے حکم سے زیادہ بہتر اور مکمل ہیں"۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''من قال أنا حكم بهذا لانه افضل من الشريعة الاسلامية فهو كافر كفراً اكبر''

”جو شخص یہ کہے کہ میں اللہ کے نازل کردہ شریعت کے علاوہ سے فیصلہ اس لئے کرتا ہوں کہ میں اس کو شریعت اسلامیہ سے افضل گمان کرتا ہوں، تو جان لو ایسا شخص کافر ہے اور اس کا کفر، کفر اکبر ہے“۔

(۳)...اللہ کی نازل کردہ شریعت کو غیر اللہ کے قوانین سے بہتر تو نہ سمجھے لیکن ہم پلہ اور برابر سمجھے:

شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ اپنی کتاب ”تحکیم القوانین“ میں لکھتے ہیں:

”الثالث: ان لایعتقد کونه احسن من حکم الله و رسوله لکن اعتقد انه مثله فهذا کالنوعین قبله فی کونه کافر الکفر الناقل عن الملة“۔

”(اعتقادی کفر کی) تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ فیصلہ کرنے والا حاکم یہ اعتقاد تو نہ رکھے کہ غیر اللہ کا قانون، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قانون سے بہتر ہے لیکن ان دونوں کو برابر حیثیت دے تو اس صورت میں بھی اس حاکم کا کفر ایسا ہوگا جو کہ اس کو ملت اسلامیہ سے خارج کر دے گا“۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ومن قال: أنا احکم بهذا لأنه مثل الشریعة الاسلامیة فالحکم بهذا جائز وبالشرعیه جائز؛ فهو کافر کفراً اکبر“۔

”اور جو شخص یہ کہے کہ میں اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ فیصلہ اس لئے کرتا ہوں کہ میں غیر اللہ کے قانون کو اور شریعت کے حکم کا درجہ برابر سمجھتا ہوں، لہٰذا میں غیر اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ کرنا جائز سمجھتا ہوں تو ایسا شخص بھی کافر ہے اور اس کا کفر بھی کفر اکبر ہے“۔

(۴)...اللہ کی نازل کردہ شریعت کو غیر اللہ کے قوانین کے برابر تو نہ سمجھے لیکن اس کے ماسوا فیصلے کرنے کو جائز سمجھے:

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

''وان اعتقد أنه غير واجب وانه مخير فيه مع تيقنه انه حكم الله فهذا كفر اكبر''

"اور اگر حکمران کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا لازم نہیں یا یہ اختیاری معاملہ ہے، چاہے وہ اسے یقینی طور پر اللہ کا حکم ہی سمجھتا ہو تو یہ کفر اکبر ہے"۔(مدراج السالکین ،ج۱ص۳۳۶)

شارح عقیدہ طحاویہ شیخ ابن ابی العز الحنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فانه ان اعتقد ان الحكم بما انزل الله غير واجب وانه مخير فيه......فهذا كفر اكبر''۔

"اگر کسی حکمران کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا غیر واجب ہے یا اختیاری ہے......تو یہ تمام صورتیں کفر اکبر ہیں"۔

(شرح الطحاویۃ فی العقیدۃ السلفیۃ)

شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ اپنی کتاب "تحکیم القوانین" لکھتے ہیں:

''الرابع: ان لا يعتقد كون حكم الحاكم بغير ما انزل الله مماثلا لحكم الله ورسوله فضلا عن ان يعتقد كونه احسن منه لكن اعتقد جواز الحكم بما يخالف حكم الله ورسوله''۔

"(اعتقادی کفر کی) چوتھی صورت یہ ہے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ فیصلہ کرنے والا حاکم نہ تو غیر اللہ کے قانون کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قانون سے بہتر

سمجھے اور نہ ہی اس کے برابر سمجھتا ہو لیکن اس کا یہ عقیدہ یہ ہو کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے خلاف فیصلہ کرنا بھی جائز ہے“۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ومن قال: أنا احکم بھذا والحکم بالشریعۃ الاسلامیۃ افضل لکن الحکم بغیر ماانزل اللہ جائز فھو کافر کفر اکبر“۔

”جو کوئی یہ کہے کہ میں اللہ کی نازل کردہ حکم کے علاوہ فیصلے اس لئے کرتا ہوں کہ ان کے مطابق فیصلہ کرنا جائز ہے اگرچہ شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلہ کرنا افضل ہے تو ایسا شخص بھی کافر ہے اور اس کا کفر اکبر ہے“۔

(۵)...اللہ کی نازل کردہ شریعت کے احکامات کا استہزا اور تمسخر اڑائے:

پانچواں ”نواقض اسلام“ یہ ہے کہ:

”وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین اور شریعت کی کسی بھی بات سے نفرت اور بغض رکھتا ہو، ایسا شخص کافر ہے اگرچہ وہ اس پر عمل پیرا ہی کیوں نہ ہو“۔

اور چھٹا ”نواقض اسلام“ یہ ہے کہ:

”وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کے دین کی کسی بات یا آپ ﷺ کے ذکر کردہ کسی ثواب یا عذاب کا مذاق اڑائے، کافر ہو جاتا ہے“۔

شارح عقیدہ طحاویہ شیخ ابن ابی العز الحنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”أو استھان بہ مع تیقنہ انہ الحکم (اللہ) فھذا کفر اکبر“۔

”اگر کسی حاکم نے کسی حکم شرعی کو یقین کے ساتھ اللہ کا حکم سمجھتے ہوئے اس کا مذاق اڑایا تو یہ صورت بھی کفر اکبر ہے“۔ (شرح الطحاویۃ فی العقیدۃ السلفیۃ)

امام بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ومن لم یحکم بما انزل اللہ مستہینا بہ منکرا لہ فأولئك هم الکفرون''۔

''اور جس نے اللہ کے نازل کردہ شریعت کے مطابق اس کا انکار کرتے ہوئے اور اس کا مذاق اڑاتے ہوئے فیصلہ نہ کیا تو وہ لوگ کافر ہیں''۔

(٦)...اللہ کی نازل کردہ شریعت میں سے کسی حکم میں تحریف اور تبدیلی کا مرتکب ہو:

امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''لان هذه الآیات نزلت فی الیهود المحرفین کلام الله تعالیٰ کما جاء فی الحدیث وهم کفار فیشارکهم فی حکمها من یشارکهم فی سبب نزلها''۔

''یہ آیات ان یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو اللہ کے کلام میں تحریف کرنے والے تھے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور ایسے یہود بلاشبہ کافر ہیں۔ پس ان یہود کے حکم میں وہ شخص بھی ان کا شریک ہوگا جو ان کے ساتھ سبب نزول یعنی اللہ کے حکم میں تحریف میں بھی شریک ہو''۔

امام ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ان حکم بما عنده علی انه من عند الله فهو تبدیل له یوجب الکفر''

''اگر کوئی حکمران اپنی کسی رائے میں اس طرح فیصلہ دے کہ اس کو اللہ کی طرف منسوب کرتا ہو (جبکہ حقیقت میں اس کا اللہ کے حکم سے کوئی تعلق نہ ہو) تو یہ اللہ کی شریعت کو تبدیل کرنے کے مترادف ہے جو کہ کفر کو لازم کرتا ہے''۔

یہ ہیں کفر اکبر کی درج بالا صورتیں جن کو سلف صالحین نے اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلے کرنے والے کے باب میں نقل کی ہیں، جن کو ہم نے مختصراً بیان کیا ہے۔

کفر دون کفر یعنی کفر اصغر کی صورتیں:

سلف وصالحین نے اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلہ کرنے والے کے باب میں وہ صورتیں بھی درج کی ہیں جن کی وجہ سے وہ حاکم گناہ کبیرہ کا تو مرتکب ٹھہرے گا مگر اس کی اس بنیاد پر "تکفیر معین؟" نہیں کی جاسکتی۔

(۱)...حاکم کسی معاملے میں اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلہ کرے مگر اپنے آپ کو گناہ گار اور سزاوار سمجھے:

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فانه ان اعتقد وجوب الحكم بما انزل الله فى هذه الواقعة وعدل عنه عصيانا مع اعترافه بانه مستحق للعقوبة فهذا كفر اصغر''۔

"اگر کوئی حاکم کسی مسئلہ میں اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کو تو واجب سمجھتا ہے (لیکن اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرپاتا) مگر اس عمل پر اپنے گناہ گار ہونے کا اعتراف کرتا ہو اور اپنے آپ کو سزا کا مستحق سمجھتا ہو تو ایسے حاکم کا کفر کفر اصغر ہے"۔

شارح عقیدہ طحاویہ شیخ ابن ابی العز الحنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وان اعتقد وجوب الحكم بما انزل الله وعلمه فى هذه الواقعة وعدل عنه مع اعترافه بأنه مستحق للعقوبة ، فهذا عاص ويسمى كفرا مجازا أو كفراً اصغر''۔

"اور اگر کسی حاکم نے کسی واقعے میں اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے کو تو واجب سمجھا لیکن اس نے اس شرعی حکم کے ساتھ اس مقدمے کا فیصلہ نہ کیا جبکہ وہ اس بات کا معترف ہو کہ وہ اپنے اس عمل کی بناء پر سزا کا مستحق ہے تو ایسا حکمران گناہ گار ہے اور اس کے کفر کو کفرِ مجازی یا کفرِ اصغر کہیں گے"۔(شرح الطحاوية فى العقيدة السلفية)

(۲)...حاکم کسی معاملے میں جہل کی بناء پر اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کر سکے:

شارح عقیدہ طحاویہ شیخ ابن ابی العز الحنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ومن جهل حكم الله فيها مع بذل جهده واستفراغ وسعه في معرفة الحكم وأخطاه فهذا مخطی له اجر علی اجتهاد وخطوء مغفور''۔

"اسی طرح جو حاکم اپنی مقدور بھر سعی اور طاقت صرف کرنے کے باوجود اللہ کا حکم معلوم نہ کر سکا اور اپنے اجتہاد میں خطاء کی بناء پر اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کر پایا تو یہ حکمران مجتہد مخطی ہے اور اسے اپنے اجتہاد کا ثواب ملے گا اور اس کی خطاء قابل معافی ہے"۔

(شرح الطحاوية في العقيدة السلفية)

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ان جهله وأخطاه فهذا مخطیء له حكم المخطئين''۔

"اگر حاکم کوئی فیصلہ جہالت یعنی شرعی احکام سے ناواقفیت کی بنیاد پر کرے تو وہ خطاکار ہے اور اس کا حکم خطاء کاروں کا ہے"۔

(۳)...حاکم اگر خواہش نفس کی بناء پر اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف کسی مقدمے میں فیصلہ کرے:

امام ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ومن لم يحكم به ميلا الى الهوىٰ من غير جحود فهو ظالم فاسق''۔

"اور حاکم اگر اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف اپنی خواہش نفس کی بناء فیصلہ نہ کرے جبکہ وہ اس کا انکار کرنے والا نہ ہو تو وہ حاکم ظالم اور فاسق ہے"۔

امام ابن العربی المالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وان حكم به هوى ومعصية فهو ذنب تدركه المغفرة على اصل اهل السنة في الغفران للمذنبين''۔

''اور اگر کسی حاکم نے اپنی خواہش نفس کی اتباع میں یا نافرمانی میں اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلہ کیا تو یہ ایسا گناہ ہے جو قابل معافی ہے جیسا کہ گناہ گاروں کی مغفرت کے بارے میں اہل السنۃ کا اصول ہے''۔

''خواہش نفس'' کی بناء پر فیصلہ کرنے کی شرح کرتے ہوئے شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ اپنی کتاب ''تحکیم القوانین'' میں لکھتے ہیں:

''قاضی اگر اپنی کسی خواہش نفس کی بناء پر کسی مقدمے میں اللہ کی نازل کردہ شریعت سے ہٹ کر فیصلہ کردے جبکہ اس کا اعتقاد بدستور یہی ہو کہ حق تو اللہ اور اس کے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا حکم ہی ہے اور یہ تسلیم بھی کرے کہ اس نے یہ کام غلط کیا ہے اور حق سے پہلو تہی کر بیٹھا ہے، تو ایسا شخص اس فعل کی بناء پر ایسے کفر کا مرتکب ہوتا ہے جو کہ اس کو ملت سے خارج نہیں کرتا۔ لیکن اس کے باوجود اس کا یہ گناہ ایک عظیم ترین معصیت ہے اور زناء، شراب نوشی، چوری اور جھوٹی قسم اٹھانے جیسے کبیرہ گناہوں سے زیادہ بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ ایک ایسی نافرمانی جسے اللہ اپنی کتاب میں کفر کہہ دے، کسی بھی ایسی نافرمانی سے سنگین تر ہے جسے اللہ نے کفر نہیں کہا ہو''۔

اسی طرح شیخ عمر اشقر فرماتے ہیں:

''کسی قاضی یا حکمرانِ وقت کا کوئی ایسا وقتی فیصلہ جو اس نے اپنی خواہش یا ضرورت سے مغلوب ہو کر کیا ہو جبکہ بقیہ تمام فیصلوں میں وہ اللہ اور اس کے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے احکامات کا پابند ہو، اس سے آدمی اسلام سے خارج نہیں ہوتا''۔ (بحواله العقيدة في الله ص٢٩،٢٨)

پس یہاں یہ بھی واضح ہو گیا کہ کفر دون کفر کا اطلاق اس حاکم پر نہیں ہو گا جو کہ خواہش نفس کی بناء پر پوری کی پوری شریعت کو چھوڑ کر غیر اللہ کے قوانین کے مطابق فیصلے کرنے لگ جائے۔

امام سمعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ومن لم یحکم بکل ما أنزل الله فاؤلئك هم الکافرون والکافر هوالذی یترك الحکم بکل ما انزل الله دون المسلم''

''جو شخص اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق کلی طور پر فیصلہ نہ کرے تو وہ کافر ہے کیونکہ کافر ہی اللہ تعالیٰ کے احکامات کو کلی طور پر چھوڑ دیتا ہے جبکہ ایک مسلمان کا معاملہ ایسا نہیں''۔(تفسیر السمعانی)

(۴)...اگر حاکم تساہل اور غفلت کی وجہ سے اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلہ نہ کرے:

عصر حاضر کے بعض علماء کا موقف ہے کہ اگر کوئی حاکم تساہل یعنی سستی و کاہلی اور غفلت کی بناء پر اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلہ کرے تو یہ صورت بھی کفر دون کفر یعنی کفر اصغر میں شامل ہو گی۔ شیخ بن باز رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''ومن قال أنا احکم بهذا وهو یعتقد أن الحکم بغیر ما انزل الله لا یجوز ویقول:الحکم بالشریعة الاسلامیة افضل ولا یجوز الحکم بغیرها ولکنه متساهل أو یفعل هذا لأمر صادر عن حکامه فهو کافر کفراً أصغر لایخرج عن الملة ویعتبر من اکبر الکبائر''۔

''جو شخص یہ کہے کہ میں اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ سے فیصلہ کرنا جائز نہیں سمجھتا اور ساتھ وہ یہ بھی کہتا ہو کہ شریعت اسلامیہ سے فیصلہ کرنا ہی افضل ہے اور شریعت کے علاوہ فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے لیکن وہ شخص متساہل ہو یا (کوئی قاضی) اپنے حکمرانوں کے مجبور کرنے کی وجہ سے ایسا کرتا ہے تو ایسا شخص بھی کافر ہے لیکن اس کا کفر، کفر اصغر ہے اور اس کفر کی وجہ سے وہ دائرہ اسلام سے خارج نہ ہو گا اور ایسا کفر، اکبر الکبائر میں سے ہے''۔

مفتی تقی عثمانی صاحب، اپنی کتاب میں دار الاسلام کی تعریف کی ضمن میں لکھتے ہیں:

"اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی ملک کے دار الاسلام ہونے کے لئے اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ اُس پر مسلمانوں کا اقتدار اور قبضہ مکمل ہے یا نہیں؟ اگر اقتدار مکمل ہے تو اُس ملک کو دار الاسلام کہا جائے گا، اور اس پر دار الاسلام کے احکام جاری ہوں گے، اگرچہ مسلمان حکمرانوں کی غفلت سے وہاں شریعت کا مکمل نفاذ ممکن نہ ہو سکا ہو"۔

(اسلام اور سیاسی نظریات، ص:۳۲۷۔ طبع جدید نومبر ۲۰۱۰ء۔ مکتبہ معارف القرآن کراچی)

یہ ہیں کفر دون کفر کی وہ صورتیں جن کی بناء پر اگر کوئی حاکم اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلہ کرتا ہے تو اس کا یہ فعل کفریہ فعل تو کہلائے گا لیکن اس کی وجہ سے اس کی تکفیر نہیں کی جاسکے گی اور نہ ہی وہ خارج عن الاسلام قرار دیا جائے گا۔

کفر اکبر اور کفر دون کفر کی صورتیں...اور ہمارے حکمرانوں کا طرز عمل:

مندرجہ بالا کفر اکبر اور کفر دون کفر یعنی کفر اصغر کی صورتوں کو سامنے رکھا جائے اور موجودہ زمانے کے کلمہ گو حکمرانوں کے طرز عمل کا مشاہدہ کیا جائے اور ان کے قول و عمل کو اگر پرکھا جائے تو یہ بات دین کے ادنیٰ سے طالبعلم سے بھی مخفی نہیں رہے گی کہ ان حکمرانوں کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ کفر اکبر کسی نہ کسی صورت (یعنی اللہ کی نازل کردہ شریعت کو جانتے ہوئے اس کے قابل عمل ہونے سے انکار کر دینا، غیر اللہ کے قوانین کو اس سے افضل سمجھنا، یا اس کے ہم پلہ سمجھنا، یا اللہ کی نازل کردہ شریعت کو برحق سمجھتے ہوئے غیر اللہ کے مطابق فیصلہ کرنے کو جائز سمجھنا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کسی حکم شرعی کا استہزاء اور تمسخر اڑانا، یا پھر اللہ کے احکام شریعت میں اپنی خواہش نفس کے مطابق ترمیم و تخفیف کر دینا) کا واضح اطلاق ان پر ہو رہا ہے اور شائد ہی کوئی حکمران ایسا ہو جو کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلے کرنے پر وہ اس بات کا معترف یعنی اعتراف کرنے والا ہو کہ وہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلے کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہے، یا وہ اللہ کی پکڑ کا مستحق ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آج کے حکمرانوں کی اکثریت نہ صرف اللہ کی نازل کردہ شریعت کی انکاری ہے، یا غیر اللہ کے قوانین کی تفضیل یا اس کے ہم پلہ ہونے کی قائل ہے یا کم از کم اللہ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ فیصلہ کرنے کو غیر واجب، یا اختیاری، یا پھر اس کے علاوہ فیصلہ کرنے کو جائز سمجھتی ہے۔ پھر اس پر مزید یہ کہ جو شخص یا گروہ ان حکمرانوں کے اس کفر اکبر میں مبتلا ہونے پر تنقید کرے یا اس کے خلاف آواز اٹھائے یا ان کے خلاف علم جہاد بلند کرے (جو کہ اس صورت میں امت پر فرض عین ہو جاتا ہے) تو یہ حکمران اس کو سراہنے یا اپنے گناہ گار ہونے یا سزا کے مستحق ہونے کا اعتراف کرنے کے بجائے، اپنے اس فعل پر فخر کرتے ہیں اور اپنے اس فعل کو مبنی بر حق سمجھتے ہوئے اس شخص یا گروہ پر اپنے لاؤلشکر کے ساتھ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ پھر ان کلمہ حق کہنے والوں پر یا حق کا کلمہ سربلند کرنے والوں پر ظلم و ستم کے وہ پہاڑ توڑے جاتے ہیں کہ انسانیت تک دنگ رہ جاتی ہے۔ بستیوں کی بستیاں اجاڑ دی جاتی ہیں، لاکھوں لوگوں کو اپنے ہی ملک کے اندر ہجرت کرنی پڑ جاتی ہے، ہزاروں لوگوں کے خون سے ہولی اس طرح کھیلی جاتی ہے کہ کہیں ان کو امریکی لیزر گائیڈڈ میزائلوں سے نشانہ بنایا جاتا ہے تو کہیں ان پر فاسفورس بم مار کر ان کی لاشوں کو قرآن وحدیث کے نسخوں کے ساتھ نالوں میں بہا دیا جاتا ہے، اسی طرح ہزاروں ہی مسلمان مائیں بہنوں کی عزت سے اس طرح کھیلا جاتا ہے کہ کہیں شریعت کی آواز اٹھانے والی ماؤں بہنوں کو گرفتار کرکے باندیوں کی مانند ان کو آپس میں بانٹ لیا جاتا ہے یا کہیں اس طرح کہ ان کو مہاجرین کیمپوں سے اغواء کرکے ڈالروں کے عوض غیر ملکی این جی اوز کے ہاتھوں فروخت کر دیا جاتا ہے تا کہ وہ یورپ اور امریکہ کے نائٹ کلبوں کی زینت بن سکیں۔

کیا اہل علم پر یہ بات مخفی ہے کہ جو شخص اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلہ کرنے میں کفر اکبر کا مرتکب ہو اور پھر اس پر وہ نادم ہونے کے بجائے اس پر فاخر ہو، اور اس پر مزید یہ کہ اس کے اس عمل کے خلاف جو کلمہ حق بلند کرے تو وہ قابل گرفت اور قابل گردن زنی سمجھا جائے، تو کیا ایسے حاکم کا کفر ﴿زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ﴾ ”کفر میں زیادتی“ ﴿بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ﴾ ”غضب پر غضب“ اور ﴿ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ﴾ ”اندھیروں پر اندھیرے“ کے مصداق نہیں۔ کیا ایسے حاکم پر کفر

دون کفر یعنی کفر اصغر کا اطلاق کرنا اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ انتہا درجے کی خیانت اور بد دیانتی نہیں ہے۔

چنانچہ اس مسئلے میں مزید وضاحت کے لئے اگر اس بات کا جائزہ لیں کہ آیا فی زمانہ یا ماضی قریب کے حکمرانوں کا طرز عمل اللہ کی شریعت کے بارے میں کفر دون کفر کہلائے گا، یا پھر وہ کفر اکبر کے واضح طور پر مرتکب قرار پائیں گے؟ چنانچہ اگر ہم اس تفصیل میں جائیں تو باقاعدہ اس پر ایک کتاب بن سکتی ہے۔ لہٰذا ہم صرف پاکستان، جس کو پوری دنیا میں اسلام کا قلعہ سمجھا جاتا تھا، اس کے سابقہ و موجودہ حکمرانوں کے طرز عمل کا جائزہ لیتے ہیں، یا پھر سعودی عرب کے حکمرانوں کا کہ جہاں حرمین شریفین کی وجہ سے وہاں کے حکمرانوں کو اسلام کا سب سے بڑا خادم سمجھا جاتا ہے۔

سابق وزیر اعظم پاکستان بینظیر بھٹو نے اسلامی سزاؤں کے بارے میں کہا تھا:
”اسلامی سزائیں وحشیانہ ہیں“۔

سابق صدر پرویز مشرف نے کہا تھا:
”خلافت کا نظام آج قابل عمل نہیں“۔
”ہمیں موسیقی کو حرام کہنے والے سے لڑنا ہو گا“۔
”جس نے برقعہ پہننا ہے یا داڑھی رکھنی ہے تو وہ گھر پر رکھے“۔

جو حکمران اسلامی سزاؤں کو وحشیانہ کہیں، خلافت کے نظام کو ناقابل عمل قرار دیں، داڑھی اور پردے جیسے شعائر اللہ کی توہین کریں، شریعت نے جن چیزوں کی واضح حرمت بیان کی ہو تو وہ اس کی حلت کے قائل ہوں، اور اس حلت پر وہ جنگ کرنے پر آمادہ ہو تو کیا ایسے حکمرانوں کے یہ افعال کفر دون کفر کے زمرے میں آئیں گے یا وہ حکمران کفر بواح یا کفر اکبر کے مرتکب ٹھہریں گے......؟؟!!

اور جہاں تک رہا آل سعود کے حکمرانوں کا معاملہ تو ان کا کفر اکبر تو اس لحاظ سے بھی کہیں بڑھ کر ہے وہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے ماسوا فیصلے کرنے اور یہود نصاریٰ سے دوستی اور مسلمانوں کے خلاف

ان کی مدد ونصرت جیسے کفر اکبر کے نہ صرف مرتکب ہو چکے ہیں بلکہ وہ تو اب وحدت ادیان کے فلسفے پر ایک نئے ''دین اکبری'' کے دعوے دار بن کر سامنے آ گئے ہیں۔ جس میں دنیا کے تمام مذاہب یعنی یہود ونصاریٰ یہاں تک کہ بتوں اور مورتیوں کو پوجنے والے بھی اس دین کے اندر شامل ہوں گے اور یہ کام آل سعود اقوام متحدہ، جو کہ طواغیت اکبر امریکہ کی لونڈی ہے، نہ صرف اس کی چھتری تلے کرنا چاہتے ہیں بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ اس کام کے لئے اقوام متحدہ کے زیر قیادت ایک فورس تشکیل دی جائے جو کہ اس دین جدید کی ہر ایک سے پابندی کرائے۔

چناچہ اسپین کے شہر میڈرڈ میں وحدت ادیان کے موضوع پر منعقد ہونے والی ایک کانفرنس جس میں تمام ادیان کے لوگ موجود تھے، آل سعود کا سرخیل شاہ عبد اللہ بن عبد العزیز کہتا ہے:

''تمام آسمانی ادیان کے پیروکاروں سے میں یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ ایمان اوراخلاص کی بنیاد پر اپنے بھائیوں کے ساتھ اکھٹے ہو جائیں کیونکہ ہم سب ایک رب کے ماننے والے ہیں۔ مجھے ویٹیکن آنے کی دعوت دی گئی اور میں نے وہاں کا دورہ کیا اور پوپ (ویٹیکن جس نے اللہ کے رسول کی شان میں گستاخی بھی کی تھی) سے بھی ملاقات کی، جس پر میں ان کا شکر گزار ہوں۔ خصوصاً ان کے پرتپاک استقبال پر ان کا شکر گزار ہوں جسے میں کبھی بھول نہ پاؤں گا کہ انہوں نے بحیثیت ایک انسان میرا استقبال کیا۔ میں نے ان کے سامنے یہ فکر پیش کی کہ رب کی جانب متوجہ ہوا جائے جیسا کہ اس نے توریت وانجیل اور قرآن میں حکم فرمایا ہے۔ ہم رب تعالیٰ سے اس توفیق کے طلب گار ہیں کہ وہ تمام ادیان کے پیروکاروں کو ایک بات پر متفق ہونے کی توفیق دے جس کا اس نے انسانوں کو حکم دیا ہے۔ انشاء اللہ! ہم بہت جلد ان ادیان میں پائے جانے والی اچھی باتوں پر متفق ہو جائیں گے۔ اس حوالے سے میری ''اقوام متحدہ'' سے بھی درخواست ہے کہ وہ اپنا کردار ادا کرے اور میرا یہ ایمان ہے کہ جو مذاہب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنی نسبت کرتے ہیں (جیسا کہ بدھ مت وغیرہ) انہیں بھی اس ''وحدت'' میں شامل ہونا چاہیے۔ تاہم ان تینوں (یعنی مسلمان، عیسائی اور یہود) سے تو توریت وانجیل اور قرآن کا تقاضہ ہے۔ اس کے علاوہ جو دیگر مذاہب

ہیں ان میں بھی بہرحال انسانیت کے لئے اور اخلاقی لحاظ سے اور اپنے اپنے ممالک کے باشندوں کے لئے خیر موجود ہے''۔

(بحوالہ ادارہ السحاب کی ویڈیو ''القول قول الصوارم'' سے اقتباس)

اور جب اس کانفرنس کے بعد اقوام متحدہ کی سربراہی میں وحدت ادیان کے موضوع پر نیویارک میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی تو اس وقت سعودی عرب کے موجودہ وزیر خارجہ شہزادہ سعود الفیصل نے کھلم کھلا یہ مطالبہ کیا کہ:

''اقوام متحدہ کے زیر قیادت ایک ایسی فورس تشکیل دے جائے جو کہ اس نظریے پر عمل درآمد کرا سکے''۔

یہ ہے توحید کے نام نہاد دعوے داروں اور حرمین کے خدام ہونے پر فخر کرنے والوں کا اصل مکروہ چہرہ کہ وہ اب اللہ کی حاکمیت سے منہ موڑنے کے بعد اُس کے دین اسلام کی جڑیں کھودنے میں مصروف عمل ہو چکے ہیں۔ سلف و خلف کے تمام فقہاء اور محدثین کا کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو شخص بھی ایسا نظریہ رکھتا ہوں کہ وہ سب مذاہب کو جمع کرکے ایک دین بنانا چاہتا ہو تو ایسا شخص واضح طور پر کفر اکبر کا مرتکب ٹھہرتا ہے اور ایسے شخص کے کافر و مرتد ہونے میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

پس کہاں ہیں توحید الوہیت پر بڑے بڑے فتوے دینے والے علماء جو کہ عوام الناس کو بڑے بڑے عذابوں کی وعیدیں سناتے ہیں؟ کیوں اب حافظ صاحب جیسے مفکرین کی زبانیں گنگ ہو چکی ہیں اور وہ شتر مرغ کی طرح زمین میں منہ دبائے بیٹھے ہیں جبکہ ان کے سامنے عقیدۂ رسالت محمدی ﷺ کی دھجیاں اڑائی جا رہی ہیں......!! کیا درج ذیل احادیث ان مفکرین سے اوجھل ہو گئی ہیں کہ:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ وَالَّذِى نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَلَا نَصْرَانِيٌّ ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِى أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ))

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان ہے! کہ اس امت کا جو شخص بھی، خواہ یہودی ہو یا نصرانی، میری بعثت کی خبر سن کر میری نبوت اور اس دین پر جو میں لے کر آیا ہوں، ایمان لائے بغیر مر جائے گا، وہ جہنمی ہے"۔

(صحیح مسلم، ج۱ص۳۶۵رقم:۲۱۸)

اسی طرح امام حاکم ایک روایت یوں نقل کرتے ہیں:

((عن ابن عباس رضی الله عنهما، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما من أحد يسمع بي من هذه الأمة، ولا يهودى ولا نصرانى، ولا يؤمن بي إلا دخل النار، فجعلت أقول: أين تصديقها في كتاب الله؟ حتى وجدت هذه الآية ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ﴾ قال: الأحزاب الملل كلها۔ هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه))

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس امت کا جو بھی آدمی خواہ یہودی ہو یا نصرانی، میری بعثت کی خبر سن کر مجھ پر ایمان نہ لائے گا، وہ جہنم میں جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ، میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر دل میں کہنے لگا کہ قرآن کریم کی کون سی آیت سے اس کی تصدیق ہوتی ہے؟ تو آخر (سورۃ ہود کی ۱۷نمبر) آیت میرے ذہن میں آئی: "اور تمام فرقوں میں سے جو بھی اس کا منکر ہو اس کے آخری وعدے کی جگہ جہنم ہے" پھر فرمایا: "الاحزاب" میں تمام مذاہب کے لوگ شامل ہیں"۔

(مستدرك الحاكم، ج۷ص۴۴۸ رقم:۳۲۶۷)

درج بالا احادیث سے کیا یہ بات واضح نہیں کہ ”دینی وحدت“ صرف اس شخص کے ساتھ ہو سکتی ہے جو کہ تمام آسمانی کتب اور انبیاء پر ایمان رکھنے کے ساتھ ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت کا اقراری بھی ہو ورنہ بصورت دیگر اس کا شمار کفار میں ہو گا اور وہ دائمی طور پر جہنم میں رہے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسے مفکرین کی اکثریت کی خود ”دو روٹی“ ان طواغیت سے وابستہ ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ وہ ہر صورت میں ان طواغیت کا دفاع کریں، چاہے اس کے لئے ان کو دین اسلام کی جڑیں ہی کیوں نہ کھودنی پڑ جائیں......!!

طواغیت کے لئے آخری حصار:

وہ لوگ جن کے پاس عصر حاضر کے طواغیت کے اقتدار کو بچانے اور ان کو مسلمان قرار دینے کے لئے کوئی دلیل باقی نہیں بچتی تو پھر وہ کوشش کرتے ہیں کہ دو راستوں کے ذریعے کسی طرح ان طواغیت کا دفاع کیا جا سکے۔ اولاً جہالت کا عذر تراش کر، اور دوم غفلت اور تساہل کے نام پر۔ چنانچہ ہم یہ سمجھ لیتے ہیں کہ شریعت میں جہالت کا معیار کیا ہے اور غفلت اور تساہل کا اعتبار کب تک ہو گا؟

جہالت کا شرعی معیار کیا ہو گا؟

جہالت کے ضمن میں بعض لوگ یہ باطل مؤقف اپناتے ہوئے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ:

”ٹھیک ہے کہ ان حکمرانوں کے کفر میں کوئی شک نہیں، مگر ان حکمرانوں کی جہالت کے بسبب جب تک ان پر حجت تمام نہ ہو جائے تو اس وقت تک نہ ان کو کافر قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کے خلاف قتال کیا جا سکتا ہے“۔

حقیقت یہ ہے کہ اس معاملے میں بھی شریعت کا حکم بالکل واضح ہے۔ چنانچہ حاکم کے لئے جہالت کا عذر شریعت کے ان احکامات تک محدود ہے جو کہ غیر واضح ہوں یا جو کہ ضروریات دین میں سے نہ ہوں۔ اگر حاکم ضروریات دین میں سے کسی امر کا منکر ہو جائے تو اس کے لئے جہالت کا عذر کوئی معنی نہیں رکھتا۔

چناچہ جب کسی حاکم کا کفر، "کفر بواح" کے درجے کو پہنچ گیا ہو اور وہ ضروریات دین میں سے کسی چیز کا منکر ہو گیا ہو تو امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جو شخص "ضروریاتِ دین" میں سے کسی ایک چیز کا بھی انکار کرتا ہے وہ "کافر" ہے اور (باالفاظ قرآنی، سورۃ البقرۃ:۸۵) ان لوگوں میں سے ہے جو کتاب اللہ کے کسی حکم کو مانتے ہیں اور کسی حکم کا انکار کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ باتفاق امت قطعاً "کافر" ہیں، اگرچہ یہ لوگ اپنے ایمان، دینداری اور خدمت اسلام کا ڈھنڈورا پیٹتے پیٹتے مشرق و مغرب کی قلابیں اور یورپ کو ہلا ڈالیں۔" (اکفار الملحدین ، ص۱۷)

"ضروریاتِ دین" کی تعریف کرتے ہوئے امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ضروریاتِ دین سے (مراد) وہ تمام قطعی اور یقینی امورِ دین ہیں جن کا دین رسول اللہ سے ہونا قطعی طور پر معلوم ہے اور حد تواتر و شہرتِ عام تک پہنچ چکا ہے، حتی کہ عوام کا وہ بھی طبقہ جو دین سے کوئی تعلق رکھتا ہو ان کو دین رسول اللہ جانتا اور مانتا ہو۔ مثلاً توحید، نبوت، ختم نبوت، حیات بعد الموت، جزا و سزائے اعمال، نماز اور زکوٰۃ کا فرض ہونا، شراب اور سود وغیرہ کا حرام ہونا۔" (اکفار الملحدین ، ص٦٦،٦٥)

یہاں تک وہ مزید فرماتے ہیں:

"ضروریاتِ دین میں کوئی ایسی تاویل کرنا بھی "کفر" ہے جس سے اُس کی وہ صورت باقی نہ رہے جو تواتر سے ثابت ہے، اور جو اب تک ہر زمانے کے خاص و عام مسلمان سمجھتے اور سمجھاتے چلے آئے ہیں، اور جس پر امت کا تعامل رہا ہے۔" (اکفار الملحدین، ص۷۵)

پس وہ احکام و قوانین جو کہ نص قطعی سے ثابت ہوں اور ان کے بارے میں ایک کافر بھی اسلام کا حکم جانتا ہو جیسے کہ شراب یا سود کی حرمت، لیکن اس کے باوجود کوئی حاکم اس کو حلال جانے یا اس کے

استعمال کا حکم جاری کرے، تو ایسے شخص کے بارے میں اتمامِ حجت کے قاعدے کو شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ یوں بیان کرتے ہیں:

((من بلغه القرآن فقد قامت عليه الحجة))

"جس تک قرآن پہنچ گیا، اس پر حجت تمام ہو گئی۔" (اكفار الملحدين)

پس کیا سود اور شراب کی حرمت سے بلاد اسلامیہ پر مسلط حکمران واقف نہیں۔ کیا ایک ہی ملک میں سودی بینکاری اور اسلامی بینکاری (جس کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں ہوتا) کے نام پر دو نظام معیشت کا چلانا اس بات کا ثبوت نہیں کہ حاکم وقت سود کی حرمت سے بخوبی آگاہ ہے جب ہی تو اس نے اسلامی بینکاری کا اجراء کر رکھا ہے۔ اسی طرح کیا شراب کی حرمت سے یہ حاکم واقف نہیں لیکن اس کے باوجود باقاعدہ اسلامی ممالک میں شراب کے پرمٹ جاری کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک ہی ملک میں دو نظام عدالت کا ہونا یعنی انڈیا ایکٹ کے ماتحت عدالتیں اور اس کے مد مقابل شریعہ کورٹس کا ہونا کیا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ حاکم وقت شریعت سے بخوبی آگاہ لیکن اسکے باوجود بھی وہ شریعت کے علاوہ فیصلے کرنے کو جائز سمجھتا ہے۔ کیا موجودہ حکمران زناء کی حرمت سے واقف نہیں ہیں پھر کیوں ان کی جانب سے ملک بھر کی "ہیرامنڈیوں" کو سرکاری تحفظ فراہم کیا جاتا ہے۔ یہ صرف چند مثالیں ہیں ورنہ اس موضوع پر بھی ایک اچھی خاصی ضخیم کتاب وجود میں آسکتی ہے۔ چنانچہ موجودہ حکمرانوں کے بارے میں شیخ عبداللہ بن عبداللطیف رحمہ اللہ اور شیخ ابراہیم بن سلیمان بن سمحان رحمہ اللہ آل شیخ فرماتے ہیں:

"مشرکین کی طرف داری اور دفاع کرنے والا کہتا ہے کہ یہ لوگ حجت کو نہیں سمجھ سکے ہیں (اس لیے انہیں کافر نہ کہا جائے) یہ بات اس شخص کی لاعلمی کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ اس نے حجت سمجھنے اور حجت پہنچنے میں فرق نہیں کیا، حجت سمجھنا ایک الگ چیز ہے اور حجت پہنچنا علیحدہ بات ہے، کبھی اس پر بھی حجت قائم ہوتی ہے جو اسے سمجھ نہ سکا ہو؟"

(الدرر السنية: ۱۰/۴۳۳)

تساہل یا غفلت کہاں تک اعتبار ہو گا؟

سوال یہ ہے کہ حکمرانوں کی جس غفلت کا بہانہ تراشا جاتا ہے، اس کا معیار اور مدت کیا ہے؟ کیا یہ غفلت اگر نسل ہائے نسل ہو اور پھر اس کی طوالت ایک صدی پر محیط ہونے کو ہو اور اس پر مستزاد یہ کہ خلاف شریعت کفریہ قوانین جاری کر دیئے گئے ہوں اور اس دوران ان حکمرانوں کو اپنے زبان و قلم کے ذریعے ”خواب غفلت“ سے بیدار کرنے اور ”کلمۂ حق“ بلند کرنے کی پاداش میں نہ جانے کتنے ہی علماء حق کو ابدی نیند سلا دیا گیا ہو اور ہزاروں کو پابند سلاسل کر دیا گیا ہو، شریعت کا مطالبہ کے لئے میدان میں آنے والے علماء و طلباء کو خاک و خون میں نہلا دیا گیا ہو اور درندگی اور چنگیزیت کی انتہاء یہ ہو کہ شریعت کے نفاذ کے لئے آواز اٹھانے والی پاکیزہ اور طیبہ طالبات کو قرآن کریم کے مصاحف اور احادیث مبارکہ ﷺ سمیت فاسفورس بموں کے ذریعے ان کے جسموں کو جلا کر راکھ اور ہڈیوں کو چورچور کر دیا گیا ہو، پھر بھی ان حکمرانوں اور ان کی افواج کا دین و ایمان سلامت رہے گا اور یہ درباری علماء ان حکمرانوں اور ان کی افواج کے افعال قبیح کو غفلت سے تعبیر کرتے رہیں گے......؟؟

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے ایک ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا کہ جو شخص کسی مسلمان کو اس کے اسلام کی بنیاد پر اور اس کے دین پر تمسک کی بنیاد پر جان بوجھ کر قتل کرتا ہے تو اس کے بارے میں شریعت اسلامیہ میں کیا حکم ہے؟ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”أَمَّا إِذَا قَتَلَهُ عَلٰى دِيْنِ الإِسْلَامِ : مِثْلُ مَا يُقَاتِلُ النَّصْرَانِيُّ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى دِيْنِهِمْ ، فَهَذَا كَافِرٌ شَرٌّ مِّنَ الْكَافِرِ الْمُعَاهَدِ ، فَإِنَّ هَذَا كَافِرٌ مُحَارِبٌ بِمَنْزِلَةِ الْكُفَّارِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ النَّبِيَّ ﷺ وَأَصْحَابَهُ ، وَهٰؤُلَاءِ مُخَلَّدُوْنَ فِي جَهَنَّمَ كَتَخْلِيْدِ غَيْرِهِمْ مِنَ الْكُفَّارِ۔“

”اور کوئی شخص کسی مسلمان کو (کسی دنیوی غرض یا لالچ کی بنیاد پر نہیں بلکہ) ”دین اسلام“ پر چلنے کی بنیاد پر قتل کر دیتا ہے جیسا کہ عیسائی مسلمانوں سے ان کے دین اور تہذیب کی بنیاد پر ہی جنگ کرتے ہیں تو ایسا شخص جو کہ محض دین اسلام کی بنیاد پر کسی مسلمان کو قتل کرے

وہ کافر ہے۔ دین اور تہذیب کی بنیاد پر کسی مسلمان کو قتل کرنے والا کافر، اس کافر سے زیادہ خطرناک ہے جس کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا باہمی عہد وپیمان طے کیا گیا ہو۔ اس قسم کا کافر بالکل ان کافروں کی طرح ہی سمجھا جائے گا جو جناب محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے جنگ وقتال کیا کرتے تھے۔ اس قسم کے کفار ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے جس طرح دیگر کافروں کا یہی حکم ہے کہ وہ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔''

(مجموع الفتاوی: ۱۳۶،۱۳۷/۳۴)

اسی طرح شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جو کسی مسلمان کے خون بہانے کو جائز ہونے کے نظریہ پر کاربند ہے۔ اس کا کیا حکم ہے؟ تو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے درج ذیل جواب ارشاد فرمایا:

''فَالَّذِیْ یعتقِدُ حَلَّ دِمَآءِ الْمُسْلِمِیْنَ وَأَمْوَالِهِمْ وَ یَسْتَحِلُّ قِتَالَهُمْ أَوْلٰی بِأَنْ یَّکُوْنَ مُحَارِبًا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ سَاعِیًا فِی الْأَرْضِ فَسَادًا مِنْ هٰؤُلَاءِ، کَمَا أَنَّ الْکَافِرَ الْحَرَبِیَّ الَّذِیْ یَسْتَحِلُّ دِمَاءَ الْمُسْلِمِیْنَ وَأَمْوَالَهُمْ وَ یَرٰی جَوَازَ قِتَالِهِمْ أَوْلٰی بِالْمُحَارَبَةِ مِنَ الْفَاسِقِ الَّذِیْ یَعْتَقِدُ تَحْرِیْمَ ذَالِكَ۔''

''وہ شخص جو کلمہ گو مسلمانوں کا خون بہانا جائز سمجھتا ہے۔ ان کے اموال پر قبضہ کرنا مباح سمجھتا ہے۔ ان کے ساتھ جنگ کرنے کو درست قرار دیتا ہے یہ شخص ان (ڈاکوؤں اور لٹیروں) کی نسبت کہیں بڑھ کر اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے والا اور زمین میں فساد برپا کرنے والا سمجھا جائے گا۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک (کلمہ نہ پڑھنے والا) کافر ہے۔ جو مسلمانوں کے خلاف برسرپیکار ہے اور مسلمانوں کا خون بہانا، مسلمانوں کے اموال وجائیداد پر قبضہ جمانا اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنا جائز سمجھتا ہے۔ اس سے جنگ کرنا اور لڑائی کرنا زیادہ ضروری اور اہم ہے اس فاسق (ڈاکو، لٹیرے اور اوباش) کی بہ نسبت جو اگرچہ مال لوٹتے ہوئے عوام الناس کا خون تو بہاتا ہے لیکن اس خون بہانے کو نظریاتی اور اعتقادی اعتبار سے جائز قرار نہیں دیتا۔''

طالبان افغانستان کے نامور کمانڈر صوبہ زابل میں مجاہدین طالبان کے رہنما ملا عبد اللہ حفظہ اللہ ادارہ السحاب کو ایک انٹرویو میں ان کا شرعی حکم یوں بیان کرتے ہیں :

"جو لوگ شریعت کو ڈھانے کی کوشش کرتے ہیں، اللہ کے دین کے نفاذ سے دشمنی رکھتے ہیں، ہم ان کو اور کیا کہیں؟ وہ کفار کے معاونین ہیں، چاہے وہ نماز پڑھتے ہوں، روزہ رکھتے ہوں یا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہوں۔ جو شخص کلمہ پڑھتا ہے، وضو کرتا ہے نماز پڑھتا ہے، ہم بھی اور تمام علماء بھی اس کو مسلمان ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن اب اگر یہ شخص کفار کی صف میں جا کھڑا ہو تو پھر وہ ان ہی کفار میں سے ہے"۔

(السحاب کی ویڈیو "الحکم للہ والملک للہ" سے اقتباس)

بس اس معاملے میں طوالت کی خوف سے قطعی کلام کے طور پر پاکستان کے نامور سلفی عالم دین مولانا امین اللہ پشاوری حفظہ اللہ سے پوچھا گیا ایک فتویٰ قارئین کے پیش نظر کر دیتے ہیں جس سے یہ مسئلہ واضح اور مبین ہو جائے گا۔

سوال:

"شیخ امین اللہ پشاوری حفظہ اللہ سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا کہ جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے، حالانکہ وہ اس کی قدرت بھی رکھتے ہیں اور مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ پھر یہ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ اُلٹا ایسے کفریہ قوانین کے مطابق فیصلے کرتے ہیں جن میں سے بیشتر دین اسلام سے متصادم ہیں۔ نیز یہ لوگ شرعی اصول عام کرنے کی سعی بھی نہیں کرتے، نہ اس بارے میں سوچتے ہیں......اور اس کے برعکس جو کوئی ان کے خود ساختہ قانون کی مخالفت کرے، یہ اسے پکڑتے ہیں اور گرفتار کرتے ہیں اور اسے قتل تک کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ ازراہِ کرم بتائیے کہ کیا یہ لوگ ملت سے خارج کفار ہیں، یا محض گناہ گار مسلمان؟......اللہ آپ کے علم وعمر میں برکت عطا فرمائے"!

جواب:

”تمام تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو اللہ کے نبی ﷺ پر، ان کی آل پر، ان کے اصحاب اور ان کے خلفاء پر...... امابعد:

بلاشبہ ایک ایسی ”اسلامی خلافت“ کا قیام جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کو مکمل طور پر نافذ کرے، اہم ترین دینی واجبات میں سے ہے اور ہر مسلمان پر اس کے لئے بقدرِ استطاعت کوشش و سعی کرنا ”فرض“ ہے۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس وقت تک رسول اللہ ﷺ کی تدفین نہیں فرمائی جب تک وہ خلیفہ کے چناؤ سے فارغ نہیں ہوگئے۔ پس پہلے خلیفہ کا تقرر کیا گیا، پھر نبی کریم ﷺ کے جسدِ مبارک کی تدفین۔

خوب جان لو! شریعت الٰہی سے ہٹ کر فیصلہ کرنے والوں کی دو اقسام ہیں:

پہلی قسم:

وہ شخص جو اسلام کا اقرار کرتا ہو اور اس کا ایمان ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل کیا ہے وہ حق و سچ ہے اور اسے ہر دوسری شریعت پر ہر اعتبار سے فضیلت حاصل ہے۔ لیکن پھر بھی یہ شخص اپنی خواہشات کی اتباع کرتے ہوئے یا عصبیت کے جذبے سے مغلوب ہو کر کسی ”جزوی و انفرادی“ مسئلے میں شریعت سے ہٹ کر فیصلے کر بیٹھے اور اس پر (فخر کے بجائے) شرمندگی بھی محسوس کرے اور یہ اعتقاد بھی رکھے کہ میرا یہ فعل قطعی غلط ہے۔ ایسے شخص کو دین سے نکلے ہوئے خارجیوں کے سوا کوئی کافر نہیں کہتا اور مفسرین نے بھی آیت ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ کے ذیل میں اگر شریعت سے ہٹ کر فیصلہ کرنے کو کافر کہنے سے احتراز کیا ہے تو وہ اسی قسم کے لوگوں کا تذکرہ کر رہے ہوتے تھے۔

دوسری قسم:

وہ شخص جسے مکمل قدرت و اختیار حاصل ہو، اللہ نے اسے حکومت و اقتدار بخشا ہو اور اگر وہ چاہے تو ایک دن کے اندر اندر تمام حکومتی عہدیداروں کو معزول کر دے...... پھر اس کے باوجود وہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے نہ کرے، نہ اس بارے میں سوچے، نہ اس کے لئے سعی کرے اور اُلٹا انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق لوگوں پر حکومت کرے، اگرچہ وہ بالکلیہ شریعت سے متصادم ہوں یا ان کی اکثریت خلافِ شرع ہو۔ نیز یہ شخص شریعت کے کسی حکم کو تب ہی باقی رکھے جب کہ وہ اس کی خواہشات سے نہ ٹکرائے، مثلاً لوگوں سے زکوٰۃ، عشر اور خراج وغیرہ وصول کرنے کا حکم باقی رکھے (کیونکہ اس کے نتیجے میں حکومت کو بہت سے اموال حاصل ہوتے ہیں)۔ اسی طرح وہ ایسے شرعی احکام باقی رکھنے پر بھی راضی ہو جس کی گنجائش وہ اپنے "کفری انسانی قانون" میں پائے، لیکن وہ ان شرعی احکام کو یہ سمجھ کر باقی نہ رکھ رہا ہو کہ یہ اللہ کا حکم ہیں (کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ مکمل احکام نافذ کرتا)، بلکہ محض اس لئے باقی رکھ رہا ہو کہ یہ احکامات اس کے (مذموم) مقاصد میں کوئی خاص رکاوٹ نہیں ڈالتے۔ کچھ شک نہیں کہ ایسا کرنے والا شخص کافر و مرتد ہے اور اسلام سے خارج ہے۔ ان کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان صادق آتا ہے کہ: ((حتی تروا منهم كفراً بواحاً)) یعنی "بلاشبہ یہ شخص کفر بواح کا مرتکب کافر ہے اور اس کو توبہ کی دعوت دینے کے بعد قتل کر ڈالنا واجب ہے"۔

(فتاویٰ الدین الخالص، المجلد ۲، ص:۱۶۳)

پس آج وہ علماء جو کہ کفر اکبر کے مرتکب ان حکمرانوں پر کفر دون کفر کا اطلاق کرتے ہیں اور اپنے فتاویٰ کے ذریعے ان کا دفاع کرتے ہیں، وہ اللہ کی قسم! دنیا اور آخرت دونوں میں کفر اکبر کے مرتکب ان حکمرانوں کے سزا و عذاب میں برابر کے مستحق ٹھہریں گے۔

امام ابو الشیخ رحمہ اللہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس نے قرآن پڑھا اور دین کی سمجھ بوجھ حاصل کی، اور پھر صاحب اقتدار کے پاس اس کے مال و دولت کی لالچ میں گیا تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیں گے، اور (آخرت میں) اسے ہر روز دو (۲) ایسے عذاب دیئے جائیں گے جو اس سے پہلے اسے نہ دیئے گئے ہوں گے“۔

امام دیلمیؒ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو شخص ظالم حکمران کے پاس خود اپنی مرضی سے گیا، اس کی خوشامد کرنے کے لیے اس سے ملاقات کی اور اسے سلام کیا تو وہ اس راہ میں اٹھائے گئے قدموں کے برابر جہنم میں گھستا چلا جائے گا، یہاں تک کہ وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے گھر لوٹ آئے۔ اور اگر وہ شخص حکمران کی خواہشات کی طرف مائل ہوا یا اس کا دستِ بازو بنا تو جیسی لعنت اللہ کی طرف سے اس (حاکم) پر پڑے گی ویسی ہی لعنت اس پر بھی پڑے گی، اور جیسا عذاب دوزخ اُسے ملے گا ویسا ہی اِسے بھی ملے گا“۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تاریخ میں اور امام دیلمی رحمہ اللہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا:

”جو عالم بھی صاحب اقتدار کے پاس اپنی مرضی سے گیا (اور اس کی ظلم میں معاونت کی) تو وہ اسے جہنم میں دیئے جانے والے ہر قسم کے عذاب میں شریک ہو گا“۔

تیسرا نظری مسئلہ

کیا وضعی قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے والے کا کفر اس وقت تک کفر اکبر نہ ہوگا جب تک وہ اس کے استحلال کا قائل نہ ہو......؟؟

حافظ صاحب کا یہ بھی نظریہ ہے کہ جو حاکم اللہ کی نازل کردہ شریعت کو یکسر ترک کر دے اور اس کے مقابلے میں اگر وہ اپنا ہی ایک قانون وضع کرے جسے عرف عام "آئین ودستور" کہتے ہیں، تو ایسے حاکم کا کفر بھی اس وقت تک کفر اکبر کے زمرے میں نہیں آئے گا جب تک وہ اپنے اس فعل کو حلال نہ سمجھتا ہو۔ چناچہ وہ لکھتے ہیں:

{"جمیع اہل سنت کا مؤقف ہے کہ مجرد وضعی قانون کے مطابق فیصلہ یا اس کا نفاذ خارج عن الملۃ نہیں ہے الا یہ کہ اس کے ساتھ قلبی استحلال یا جحود بھی ہو"۔} (صفحہ نمبر:۲۹)

پھر اپنے اس مؤقف کی دلیل میں سلف صالحین کے فتاویٰ سے دلیل دینے کے بجائے صرف ان سعودی علماء کے اقوال پیش کئے ہیں جن کے بارے میں سب لوگ جانتے ہیں کہ ان کا علم وفضل اپنی جگہ لیکن انہوں نے السیاسۃ الشرعیۃ اور جہاد کے معاملے میں ہمیشہ ایسے فتاویٰ جاری کئے جو کہ شریعت کے احکامات کے تو سراسر خلاف ہوں مگر آل سعود کی رضامندی کے خلاف نہ ہوں۔ اس کی سب سے بڑی مثال عراق کی جانب سے کویت وسعودی عرب پر حملہ کی ہے۔

چناچہ وہ سرزمین جس کے بارے رسول اللہ ﷺ اپنی وفات کے وقت امت محمدیہ ﷺ کو یہ وصیت کر گئے تھے کہ:

((اخرجوا الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب))

"یہود ونصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دو"۔ (متفق علیہ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بالفعل اس حکم پر عمل کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ لیکن جب اٹھارہ بیس سال قبل امریکی سی آئی اے کے ایجنٹ صدام حسین نے امریکی ایماء پر کویت پر دھاوا بولا اور سعودی عرب کے بھی کچھ سرحدی علاقوں پر بھی قبضہ کرلیا۔ یہی وہ لمحہ تھا جس کے یہود و نصاریٰ صدیوں منتظر تھے کہ کس طرح سرزمین حجاز پر اپنے قدم جمائیں جاسکیں۔ چناچہ عالم عرب کے حکمرانوں نے اس ایجنڈے کی تکمیل اور اپنی حکمرانی کو دوام بخشنے کے لئے ”حرمین شریفین“ کی حفاظت کے نام پر یہود و نصاریٰ کی کیل کانٹے سے لیس لشکروں کو عالم عرب میں اتر کر حجازِ مقدس کی حرمت کو پامال کرنے کی اجازت دی۔ افسوس! حکمرانوں کے اس فعل کو سندِ جواز بھی ان اہل علم شخصیات نے اپنے فتاویٰ کے ذریعے سے عطا کیا جن کو علومِ دینیہ میں حجت تسلیم کیا جاتا تھا اور یوں رسول اللہ ﷺ کی اس پیشگوئی کو پورا کرنے کا دروازہ بھی یہ علماء اپنے ہاتھوں سے کھول گئے کہ نصاریٰ کی افواج قرب قیامت مدینہ النبی ﷺ سے قریب خیبر کے مقام تک پہنچ جائیں گی۔ نام لیتے ہوئے زبان کانپتی ہے اور کلیجہ منہ کو آتا ہے کہ ان میں سب سے آگے شیخ عبد اللہ بن باز تھے اور ان کے نامور ہم عصر علماء تھے۔ العیاذ باللہ!

آج پوری امت ان علماء کے دیئے گئے فتاویٰ کا خمیازہ اس صورت میں بھگت رہی ہے کہ پچیس سال کے قریب کا عرصہ گزرنے کو ہے کہ امریکی و نیٹو افواج نے وہاں مستقل ڈیرے ڈال لئے ہیں اور جزیرۂ نما عرب میں بڑے بڑے بحری، بری اور فضائی اڈے قائم کرلئے ہیں جن کو ہٹانا اب عرب ممالک کی بس کی بات نہیں۔ یہی اڈے آج مسلمانوں کے قتل عام میں امریکہ کے سب بڑے معاو ثابت ہو رہے ہیں۔ جس کی سب سے بڑی مثال 2003ء ان اڈوں کو استعمال کر کے عراق کی اینٹ سے اینٹ بجانا ہے اور آج یمنی مسلمان ان اڈوں سے اڑنے والے جہازوں کا تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں۔ آثار بتا رہے ہیں کہ مستقبل میں ان فوجی اڈوں کا عرب عوام کے قتل عام کے لئے جس طرح استعمال کیا جائے گا اس کے نتائج کو صفحۂ قرطاس پر لانا ناممکن ہے۔

بس سعودی عرب کے جس عالم نے بھی آل سعود کی رضامندی کے بغیر کسی بھی معاملے میں فتاویٰ جاری کرے تو اس کا مقدر جیل کی کال کوٹھری کے سوا کچھ نہیں ہوتا، چاہے وہ علم و فضل کے لحاظ سے کتنے ہی بڑے مرتبے پر فائز ہو۔ پس ایسا عالم دین اس وقت ہی جیل کی کال کوٹھری سے آزاد ہوتا ہے جبکہ وہ اپنے سابقہ مؤقف سے اعلان برأت کرتے ہوئے آل سعود کے سامنے سر نہ جھکا دے۔ شیخ سفر الحوالی، شیخ سلمان العودۃ اور دیگر سینکڑوں علماء اس کی بہترین مثالیں ہیں۔

چناچہ آج سعودی عرب کی جیلیں عام مجرمین سے زیادہ ان علماء اور دیگر لوگوں سے بھری پڑی ہیں، جنہوں نے آل سعود کی افکار و اعمال پر کڑی تنقید کی یا ان کے افعال و اعمال کو خلاف شریعت قرار دیا اور تاحال یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ یہاں تک اگر کوئی عالم دین نماز تراویح میں یہود و نصاریٰ کے لئے کھل کر بد دعاء بھی کر دے تو اس کو بھی قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے لئے جیل بھیج دیا جاتا ہے۔ اس کی بہترین مثال شیخ سلمان المحیسنی اور وہ آئمہ مساجد ہیں کہ جنہوں نے افغانستان و عراق پر امریکی حملے کے موقع پر قنوت نازلہ کا اہتما کیا تھا۔ چناچہ حافظ صاحب شیخ سفر الحوالی اور شیخ سلمان العودۃ کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

{”سعودی حکومت کی طرف سے جب ان حضرات کو قید و بند کی صعوبتیں جھیلنا پڑیں اور بعد ازاں بعض علماء کی کوششوں سے ایک معاہدے کے نتیجے میں یہ حضرات کئی سال بعد جیل سے باہر آئے تو انہوں نے اپنے منہج میں واضح تبدیلی کی ہے“۔} (صفحہ نمبر: ۳۷)

حافظ صاحب نے ان دونوں حضرات کی طرف سے اپنے منہج کی تبدیلی جو بات کی ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ شیخ سفر الحوالی جنہوں نے اہل کتاب سے کلی برأت پر دو معرکۃ الآراء کتابیں ”یوم الغضب“ اور ”اہل کتاب سے برأت“ لکھی تھیں، رہائی ملنے کے بعد انہوں نے امریکہ میں انتخابات کے موقع پر امریکی مسلمانوں سے یہ اپیل کی کہ وہ جارج بش جونیئر کو ووٹ دیں۔ اسی طرح شیخ سلمان العودۃ نے اپنی رہائی کے بعد رمضان المبارک میں عوام سے یہ اپیل کی کہ وہ یہود و نصاریٰ کے لئے بد دعاء نہ کریں کیونکہ یہ جائز نہیں۔ (حالانکہ موطا امام مالک کی حدیث ہے کہ ((و

حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ أَنَّهُ سَمِعَ الْأَعْرَجَ يَقُولُ مَا أَدْرَكْتُ النَّاسَ إِلَّا وَهُمْ يَلْعَنُونَ الْكَفَرَةَ فِي رَمَضَانَ)) (موطا امام مالکؒ ج:اص:۳۴۳رقم:۲۳۴) "عبد الرحمن ہرمز الاعرج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو اس حالت میں پایا کہ وہ رمضان المبارک (کی راتوں) میں کفار پر لعنت کرتے تھے"۔ اسی طرح حافظ صاحب کے بقول ان دونوں شیوخ نے رہائی ملنے کے بعد سعودی نوجوانوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ عراق جہاد کے لئے نہ جائیں بلکہ اہل عراق کا معاملہ ان پر چھوڑ دیا جائے۔ اسی طرح افغانستان بھی کثیر تعداد میں نوجوانوں کو جانے سے منع کیا۔ گویا عراق وافغانستان کے مسلمان تو کیڑے مکوڑے کی مانند تھے کہ انہیں امریکی ورافضی اتحاد کا تختۂ مشق بننے کے لئے بے یارومددگار چھوڑ دیا جائے۔

پس اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ شخص جو کل تک اہل کتاب سے بات تک نہ کرنے اور ان کی تباہی وبربادی کی نوید سنا رہا ہو وہ آج اگر صدر بش کو ووٹ ڈالنے کی اپیل کرے اور امریکہ کے خلاف مسلمانوں کی مدد ونصرت کرنے سے سعودی نوجوانوں کو روکے تو کیا اس منہج کو قابل تحسین قرار دیا جاسکتا ہے؟ بس اس معاملے میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دونوں شیوخ آل سعود کے ظلم وستم کی بنیاد پر عند اللہ معذور سمجھے جائیں گے اور جہاں تک ان کے منہج کی تبدیلی کا معاملے تو وہ شرعی طور پر کسی بھی صورت قبول نہیں کیا جاسکتا۔ چناچہ ان حالات میں کیا وہ سعودی علماء جن کو اپنی مسندیں عزیز ہوں وہ آل سعود کی مرضی اور ان کے مفادات کے خلاف فتاویٰ جاری کرسکیں گے۔

بس اللہ کی نازل کردہ شریعت کو کلی طور پر چھوڑ کر وضعی قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے کے معاملے میں آل سعود کے منظور نظر علماء کی آراء کو صرف نظر کرتے ہوئے حافظ صاحب کے دعوے کے مطابق:

{"جمیع اہل سنت کا مؤقف ہے کہ مجرد وضعی قانون کے مطابق فیصلہ یا اس کا نفاذ خارج عن الملۃ نہیں ہے الا یہ کہ اس کے ساتھ قلبی استحلال یا جحود بھی ہو"۔} (صفحہ نمبر:۲۹)

ہم دیکھیں گے کہ کیا حافظ صاحب کے دعوے کے مصداق کیا "جمیع اہل سنت" نے کسی ایسی شرط کو بیان کیا ہے کہ مجرد وضعی قوانین (جن کو آج عرف عام میں "آئین و دستور" کہتے ہیں اس)

کے مطابق فیصلے کرنے والے کے کفر کو اس وقت تک کفر اکبر نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ وہ اس کے استحلال کا قائل نہ ہو۔

اس ضمن میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ وہ حاکم جو کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کو یکسر ترک کرتے ہوئے اپنا ایک "آئین و دستور" وضع کرے، یا ہر مسئلے کے حل کے لئے اسی آئین و دستور کے طرف رجوع کرے اور عوام کو بھی اسی آئین و دستور کا پابند کرے، اور جو اس آئین و دستور کی خلاف ورزی کرے اس کو قابل تعذیر سمجھے۔ پھر عدالتوں کا یہ حال ہو کہ اگر کسی مسئلے کے بارے میں وہاں یہ کہا جائے کہ قرآن و حدیث میں یہ لکھا ہے تو جواب ملے کہ یہ بتاؤ کہ آئین میں کہاں لکھا ہے؟ یا پھر یہ حال ہو کہ ایک طرف شریعۃ کورٹ ہوں اور دوسری طرف وضعی قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے والی عدالتیں، اور عوام کو اختیار ہو کہ جس عدالت کی طرف رجوع کرنا چاہیں رجوع کریں لیکن آخری اور حتمی فیصلہ وضعی قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے والی عدالتوں کا ہوگا! پھر جو اس آئین و دستور کو غیر اسلامی قرار دیتے ہوئے اس کو ماننے سے انکار کردے اس کو "رٹ" کو چیلنج کرنے والا قرار دے کر آگ وخون میں نہلا دیا جائے۔ یہاں تک اس آئین و دستور کی اتنی تقدیس کی جاتی ہو کہ اگر کوئی حاکم بھی اس کو توڑنے کا مرتکب ہو جائے تو اس کی سزا بھی اس آئین میں تختۂ دار پر لٹکنا لکھی ہو، تو کیا یہ تمام صورتیں اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلے کرنے کی ان صورتوں کے تحت نہیں آئیں گی جو کہ سلف صالحین کے نزدیک کفر اکبر کی صورتوں میں سے ہیں۔

کیا اس تمام صورتحال پر کم از کم کفر اکبر کی اس صورت کا اطلاق نہیں ہوگا جس میں ایک حاکم اللہ کی نازل کردہ شریعت کو افضل سمجھتے ہوئے بھی غیر اللہ کے قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے کو جائز سمجھے! کیا یہ صورتحال ان تاتاریوں کی مانند نہیں کہ جن کے سرخیل چنگیز خان نے ایک آئین و دستور وضع کر دیا تھا۔ بس وہ اسی کے مطابق فیصلے کرتے اور اپنے ہر مسئلے کے حل کے لئے اسی کی طرف رجوع کرتے اور جو اس کی خلاف ورزی کرتا اس کو سزا دیتے۔

پس سلف صالحین نے مجرد وضعی قوانین کو جس عرف عام میں ''آئین و دستور'' بھی کہا جاتا ہے اس کے مطابق فیصلے کرنے والوں کو مطلق طور پر ''کفر بواح'' کا مرتکب قرار دے کر دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے اور اس کے لئے قلبی استحلال جیسی کسی شرط کو بیان نہیں کیا۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ ﴿اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ﴾ ''(اگر یہ اللہ کے قانون سے منہ موڑتے ہیں) تو کیا پھر یہ جہالت کے حکم اور فیصلے کے خواہش مند ہیں؟'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مذمت کر رہا ہے جو اس کے ایسے احکام کو چھوڑ رہے ہیں جن میں ہر قسم کا خیر ہے، ہر قسم کے شر سے روکنے والے ہیں، ایسے احکام کو چھوڑ کر لوگوں کی خواہشات، ان کی آراء اور ''خود ساختہ اصطلاحات'' کی طرف جاتے ہیں، جس طرح دورِ جاہلیت کے لوگ اسی طرح کے جاہلانہ اور گمراہ کن احکامات کو نافذ کرتے تھے جو انہوں نے اپنی خواہشات اور آراء سے بنائے ہوئے ہوتے تھے اور جس طرح کے فیصلے اور احکامات تاتاری کرتے تھے جو انہوں نے اپنے بادشاہ چنگیز خان سے لئے تھے۔ چنگیز خان نے تاتاریوں کے لئے ''یاسق'' وضع کیا تھا۔ یاسق اس ''مجموعہ قوانین'' کا نام ہے جو چنگیز خان نے مختلف مذاہب، یہودیت، نصرانیت اور اسلام وغیرہ سے لے کر مرتب کیا تھا۔ اس میں بہت سے ایسے احکام بھی تھے جو کسی مذہب سے ماخوذ نہیں تھے وہ محض چنگیز خان کی خواہشات اور اس کی صوابدید پر مبنی تھے۔ یہ کتاب بعد میں قابل اتباع قرار پائی اور وہ اس کتاب کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات پر بھی مقدم رکھتے تھے۔ ان میں سے جس جس نے بھی ایسا کیا ہے وہ کافر ہے، واجب القتل ہے جب تک کہ توبہ کر کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی طرف نہ آئے اور ہر قسم کا چھوٹا بڑا فیصلہ اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق نہ کرے۔'' (تفسیر ابنِ کثیرؒ ج:۲ص:۶۸)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے درج بالا کلام میں ان لوگوں پر حجت ہے جو کہ وضعی قوانین پر قلبی استحلال یا جحود کی شرط عائد کرتے ہیں جبکہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ ہر اس شخص کو کافر اور واجب القتل قرار دے رہے ہیں، جس نے اللہ اور اس کے رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے احکامات پر یاسق کو صرف مقدم رکھا۔

چناچہ شیخ حامد الفقی رحمہ اللہ، ابن کثیر رحمہ اللہ کے درج بالا اقوال پر تبصرہ کرتے ہوئے دور حاضر کے رائج ''آئین ودستور'' کے بارے میں فرماتے ہیں:

''ان تاتاریوں کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر وہ لوگ ہیں جو انگریزوں کے قوانین اپناتے ہیں اور اپنے مالی، فوجداری اور عائلی معاملات کے فیصلے ان کے مطابق کرتے ہیں اور ان انگریزی قوانین کو اللہ اور اس کے رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے احکامات پر مقدم رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ بغیر کسی شک وشبہ کے ''مرتد اور کافر'' ہیں اور جب تک وہ اس روش پر قائم رہیں اور اللہ کے حکم کی طرف رجوع نہیں کریں تو وہ اپنا نام کچھ بھی کیوں نہ رکھ لیں، انہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور وہ اسلام کے ظاہری اعمال میں سے جتنے چاہیں عمل کرلیں، وہ سب کے سب بیکار ہیں جیسے نماز، روزہ اور حج وعمرہ وغیرہ''۔(فتح المجید:۳۸۸)

چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس عنوان کے ثبوت میں ''اجماعِ علماءِ اسلام'' کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وفی ذلك كله مخالفة لشرائع الله المنزلة على عباده الأنبياء عليهم الصلاة والسلام ، فمن ترك الشرع المحكم المنزل على محمد بن عبد الله خاتم الأنبياء وتحاكم الى غيره من الشرائع المنسوخة كفر ، فكيف بمن تحاكم الى الياسق وقدمها عليه؟ من فعل ذلك كفر باجماع المسلمين''

''یہ تمام (خودساختہ) قوانین ان شریعتوں کی مخالفت سے پر ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمائیں۔ پس جو شخص بھی خاتم الانبیاء محمد بن عبد اللہ علیہ الصلاۃ والسلام پر نازل کردہ محکم شریعت کو چھوڑ کر اپنے فیصلوں کے لئے کسی منسوخ شدہ شریعت کی

طرف گیا، اُس نے کفر کیا۔ (پس جب رب ہی کی نازل کردہ کسی سابقہ شریعت کو فیصل ماننا بھی کفر ہے) تو پھر "یاسق" جیسی (خود ساختہ) کتاب کی طرف فیصلے لے کر جانا اور اسے شریعت محمدی ﷺ پر مقدم جاننا کتنا سنگین جرم ہو گا؟ بلاشبہ جو شخص بھی ایسا کرتا ہے، اس کے مرتکبِ کفر ہونے پر امت کا اجماع ہے"۔(البداية والنهاية، ج:١٣،ص:١٣٩)

سعودی عرب کے سابق مفتی عام اور کبار علماء میں سے ایک شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لوگوں کے بنائے ہوئے قوانین کو جو کہ دراصل شیطان کے نازل کردہ ہیں، محمد ﷺ پر نازل شدہ قوانین پر ترجیح دینا یا اس کے ہم پلہ سمجھنا واضح، صریح اور بڑا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ پر قوانین نازل ہی اس لئے کئے تھے کہ سارے جہاں میں انہیں نافذ کر دیں، تمام متنازعہ اُمور کے فیصلے اس دین کے ذریعہ سے ہوں"۔(رسالة تحكيم القوانين)

علامہ شنقیطی رحمہ اللہ سورۃ الکہف کی آیت ﴿لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا﴾
"اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔"(سورة الكهف:٢٦)

کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"وبهذه النصوص السماوية التي ذكرنا؛ يظهر غاية الظهور ان الذين يتبعون القوانين الوضعية التي شرعها الشيطان على السنة اوليائه، مخالفة لما شرعه الله جلا وعلا على السنة رسله ﷺ، أنه لا يشك في كفرهم وشركهم؛ الا من طمس الله بصيرته، واعماه عن نور الوحي مثلهم"

"ان نصوص قرآنی سے بات بالکل واضح ہے کہ جو لوگ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کی اتباع کرتے ہیں، جو کہ دراصل شیطانی قوانین ہیں جو اس نے اپنے متبعین کے ذریعہ بنوائے ہیں، جو کہ یہ سراسر اللہ کی شریعت کے خلاف ہیں، تو ایسے قوانین کی تابعداری کرنے

والے بلا شک وشبہ "کافر" ہیں، اللہ نے ان کی بصارت وبصیرت (دونوں) چھین لی ہے۔ یہ لوگ وحی الٰہی کے نور سے مکمل طور پر محروم ہیں"۔(اضواء البیان ، ج۳ ص ۳۲۸)

داعیٔ ختم نبوت مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"خلافت میں حکمران کے لئے بالاتر قانون "قرآن وسنت" ہے، اور اگر مسلمانوں کا اپنے حکام کے ساتھ نزاع ہو جائے تو اس کو اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹایا جائے گا اور کتاب وسنت کی روشنی میں اس کا فیصلہ کیا جائے گا، جس کی پابندی راعی ورعایا دونوں پر لازم ہوگی۔ جبکہ جمہوریت کا فتویٰ یہ ہے کہ مملکت کا "آئین" سب سے مقدس دستاویز ہے اور تمام نزاعی امور میں "آئین ودستور" کی طرف رجوع لازم ہے، حتیٰ کہ عدالتیں بھی آئین کے خلاف فیصلہ صادر نہیں کر سکتیں۔ لیکن (حال یہ ہے کہ) ملک کا دستور اپنے تمام تر تقدس کے باوجود عوام کے منتخب نمائندوں کے ہاتھ کا کھلونا ہے۔ وہ مطلوبہ اکثریت کے بل بوتے پر اس میں جو چاہیں ترمیم وتنسیخ کرتے پھریں، کوئی ان کو روکنے والا نہیں اور مملکت کے شہریوں کے لئے جو قانون چاہیں بناڈالیں، کوئی ان کو پوچھنے والا نہیں"۔
(آپ کے مسائل اوران کا حل، جلد۸، ص:۱۷۶)

مالاکنڈ ڈویژن کے مشہور عالم ربانی مولانا ولی اللہ بلگرامی شہید رحمہ اللہ پاکستان کے کفری دستور کے بارے میں فرماتے ہیں:

''وهم يدعون أنها دولة اسلامية ، بل هى حصن الاسلام۔ وأما فى نفس الأمر، فلست دولة باكستان دولة اسلامية ، ولا دار اسلام لأن دستورها دستور كفري ، وبالصلوة والصيام واقامة الجمعة والأعياد لا تكون اسلامية ، والا فتكون دول أوروبا وأمريكا وغيرها دولة اسلامية بعين هذا الدليل ﴿هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ﴾ (آل عمران:١٦٧)''۔

"وہ (لوگ جو) بالعموم دعویٰ کرتے ہیں کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست بلکہ "اسلام کا قلعہ" ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ارباب حکومت کچھ بھی کہیں، نہ تو پاکستان ایک اسلامی ملک ہے، نہ ہی یہ کسی طرح "دارالاسلام" کہلا سکتا ہے، کیونکہ اس کا دستور ایک "کفری دستور" ہے۔ محض نماز، روزے اور جمعہ و عیدین کی ادائیگی سے کوئی خطہ دار الاسلام نہیں بن جاتا، وگرنہ تو عین اسی دلیل کی بناء پر یورپ اور امریکا کے بھی بہت سے علاقے دارالاسلام قرار پائیں گے۔ (ایسی دلیلیں دینے والوں کے بارے میں قرآنی حکم یہ ہے کہ) "یہ اُس دن ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ منہ سے وہ باتیں کہتے ہیں جو اُن کے دل میں نہیں ہیں اور جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اللہ اس سے خوب واقف ہے"۔

(اعلام الأعلام بمفهوم الدين والاسلام أو رفع الحجاب عن مضار الجمهورية والانتخاب، ص: ۳۳۳ تا ۳۳۴)

سعودی عرب کے معروف عالم دین شیخ حمود عقلاء الشعیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أن من حكم بغير ما أنزل الله وأعرض عن شرع الله وحكمه ؛ أنه كافر بالله العظيم ، خارج من الاسلام ، وكذلك مثله من وضع للناس تشريعات وضعية۔ لانه لولم يرض بها لما حكم بها ، فان الواقع يكذبه ، فالكثير من الحكام لديه من الصلاحيات فى تأجيل الحكم ، و تغير الدستور و الحذف وغيرها۔ وان تنزلنا وقلنا ؛ انهم لم يضوها ويشرعوها لشعوبهم ، فمن الذى ألزم الرعيه بالعمل بها ومعاقبة من خالفها؟! وماحالهم وحال التتار ، الذى نقل ابن تيمية وابن كثير رحمهما الله الاجماع على كفرهم ، ببعيد فان التتار لم يضعوا ولم يشرعوا "الياسق" ، بل الذى وضعه احد حكامهم الأوائل ويسمى "جنكزخان" ، فصورة هؤلاء كحال اولئك۔ وبذلك يتبين ؛ أن الحاكم بغير ما انزل الله تعالىٰ يقع فى الكفر من جهة أو جهتين ، الأولى ؛ من جهة التشريع ان شرع۔ الثانية ؛ من جهة الحكم ان حكم"۔

''جس نے بھی اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کیا اور اللہ کی شریعت اور اس کے فیصلے سے منہ موڑا، اس نے اللہ عظیم و برتر کے ساتھ کفر کیا اور دائرہ اسلام سے خارج ہوگیا۔ اسی طرح وہ شخص بھی جس نے لوگوں کے لئے ''خود ساختہ قانون سازی'' کی۔ بس جو کوئی وضعی قوانین سے راضی نہیں تو کیوں اس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا ہے؟ حقیقت اس بات کو جھٹلا رہی ہے کیونکہ بیشتر حکمران ایسے ہیں جن کے پاس فیصلہ دیر میں کرنے، دستور کو تبدیل کرنے اور حذف وغیرہ کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ پھر بھی اگر ہم ان (حکمرانوں کی) بات مان بھی لیں انہوں نے یہ قوانین وضع نہیں کئے اور نہ ہی اپنی عوام کے لئے قانون سازی کی ہے تو سوال یہ ہے کہ کون ہے جو عوام کو اس پر عمل کرنے پر مجبور کرتا ہے اور اس کی مخالفت کرنے والے کو سزا کا مستحق قرار دیتا ہے؟ بس ایسے حکمرانوں کا حال بھی تاتاریوں کے حال جیسا ہے اور اُن کے کفر پر اجماع ہے، جس کو ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔ تاتاریوں نے بھی یاسق وضع نہیں کیا تھا اور نہ قانون سازی کی بلکہ جس نے قانون وضع کیا تھا وہ ان کے ابتدائی حکام میں سے ایک تھا جس کا نام چنگیز خان تھا۔ پس ان حکمرانوں کی صورتحال بھی ان ہی تاتاریوں کی طرح ہے۔ بس اس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والا حاکم ایک یا دو صورتوں میں صریح کفر کا ارتکاب کرتا ہے: (۱) قانون سازی کی صورت میں اگر اس نے قانون سازی کی، (۲) فیصلہ کرنے کی صورت میں اگر اس نے فیصلہ کیا''۔

(الحكم الحكام المحكمين للقوانين الوضعية ۔ شيخ حمود عقلاء الشعيبیؒ)

علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ان الأمر في هذه القوانين الوضعية واضح وضوح الشمس ، هي كُفرٌ بواح ، لاخفاء فيه ولامداورة ، ولاعذر لأحد ممن ينتسب لاسلام ۔ كائناً من كان ۔ في العمل بها ، أو الخضوع لها أو اقرارها ، فليحذر امرؤ لنفسه ، وكل

امرئٍ حسيبُ نفسه ، ألا فليصدع العلماء بالحق غير هيابين وليبلغوا ماأمروا بتبليغه غير موانين ولا مقصرين“۔

”یقیناً ان ”وضعی قوانین“ کا معاملہ اظہر من الشمس ہے۔ ان قوانین کا ”کفر بواح“ ہونا اتنا واضح اور بیّن امر ہے جس میں کسی شک وتردد کی کوئی گنجائش نہیں۔ پس اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرنے والے کسی بھی شخص کے لئے...... خواہ وہ کوئی بھی ہو...... ان قوانین پر عمل کرنے، ان کے سامنے سرِ ”تسلیم“ خم کرنے یا انہیں ماننے کا کوئی جواز نہیں۔ ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اس فتنے سے بچنے کی فکر کرے اور ہر شخص خود ہی اپنا محاسبہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ بالخصوص علمائے حق کی یہ ذمہ داری ہے کہ آج وہ ہر خوف اور خطرے سے بے پرواہ ہو کر حق بات اعلانیہ کہہ ڈالیں اور کسی تاخیر و تقصیر کے بغیر اللہ کے احکام لوگوں تک پہنچائیں“۔ (عمدۃ التفسیر ،ج:۴ص:۱۷۴)

چوتھا نظری مسئلہ

کیا ظالم و جابر اور کفر و ارتداد کے مرتکب کے حاکم خلاف خروج کی شرائط یکساں ہیں......؟؟

حافظ صاحب نے اپنی کتاب میں حاکم وقت، چاہے وہ ظالم و جابر ہو یا صریح کفر و ارتداد کا مرتکب ہو چکا ہو، بغیر کسی تخصیص کے اس کے خلاف خروج کے لئے یکساں شرائط کو بیان کیا ہے۔ خصوصاً دو شرائط کو خروج کے لئے یکساں بیان کیا ہے۔ اولاً خروج کی وجہ سے معاشرے میں بڑی خونریزی نہ ہو، ثانیاً خروج کرنے والوں کے پاس طاقت و قوت موجود ہو۔ جیسا کہ حافظ صاحب لکھتے ہیں:

{”خروج کی تمام اقسام میں چونکہ مسلمانوں کے مابین قتل وغارت اور فتنہ و فساد کا اندیشہ ہوتا ہے لہٰذا اس کی کئی ایک شرائط علماء نے مقرر کی ہیں:

1۔ خروج میں مسلمانوں کی بڑے پیمانے پر قتل وغارت، فتنہ وفساد اور امن و امان کی تباہی نہ ہو۔ اگر ایسا ہو تو ظالم، بے نماز اور مرتد حکمران کے خلاف یہ خروج جائز نہیں ہو گا“۔}

(صفحہ نمبر:۱۷۴)

چنانچہ ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

{”ظالم حکمران چاہے مسلمان ہو یا کافر، اس سے قتال جائز ہے۔ لیکن یہ قتال اس صورت جائز ہو گا جبکہ اس کی استطاعت ہو و طاقت موجود ہو“۔}(صفحہ نمبر:۲۵۲)

چنانچہ حافظ صاحب طاقت و قوت اور خونریزی نہ ہونے کی شرط کا اطلاق ظالم و جابر کے ساتھ ساتھ کفرِ بواح کے مرتکب مرتد حاکم پر بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ اپنے اس مؤقف کی تائید میں انہوں نے ماضی قریب کے چند سعودی علماء کے فتاویٰ تو نقل کر دیئے، مگر اسلاف میں سے اس کے لئے وہ دلائل نقل کئے جو اسلاف نے ظالم و جابر حکمران کے خلاف خروج کے باب میں نقل کئے تھے اور جن کا تعلق حاکم کے کفر بواح کے باب سے ہر گز نہیں۔

سوال یہ ہے کہ حافظ صاحب نے اپنے درج بالا مؤقف کی دلیل میں اسلاف کے ظالم و جابر حکمران کے خلاف خروج کے شرائط کو تو نقل کر دیا لیکن اپنی پوری کتاب میں کفرِ بواح کے مرتکب حاکم کے خلاف خروج کے لئے اسلاف کے بیان کردہ شروط کو کہیں بھی نقل نہیں کیا۔ کیا یہ محض اتفاق ہے کہ یہ اقوال نقل ہونے سے رہ گئے یا پھر حافظ صاحب کو اپنے خود ساختہ مؤقف کے مطابق سلف کے اقوال نہیں ملے تو انہوں نے احکامات کو خلط ملط کرتے ہوئے ظالم و جابر حاکم کے خلاف خروج کے بارے میں فتاویٰ کو کفر بواح کے مرتکب اور مرتد حاکم کے خلاف خروج کے باب میں فٹ کر دیا۔

چناچہ اب ہم اسلاف کے اقوال کی روشنی میں اس بات کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ آیا اسلاف نے اولاً قوت و طاقت کے موجود ہونے اور ثانیاً معاشرے میں بڑی خونریزی نہ ہونے کی شرط کو پہلی قسم یعنی ظالم و جابر اور دوسری قسم یعنی کفر بواح کے مرتکب حکمرانوں کے خلاف خروج کے لئے یکساں بیان کیا ہے؟ یا صرف اس کو ظالم و جابر حاکم کے باب میں نقل کیا ہے۔

ظالم و فاسق حکمران کے خلاف اسلاف کا مؤقف:

ظلم و فسق کے ساتھ حکومت کرنے والے مسلم حکمران کو اگرچہ شریعت نے پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا مگر جمہور علماء سلف نے اس کی امامت کو بہر حال جائز تسلیم کیا ہے اور اس کی اطاعت کو معصیت کے علاوہ لازم قرار دیا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے((أَلَا مَنْ وَلِيَ عَلَيْهِ وَالٍ فَرَآهُ يَأْتِي شَيْئًا مِنْ مَعْصِيَةِ اللَّهِ فَلْيَكْرَهْ مَا يَأْتِي مِنْ مَعْصِيَةِ اللَّهِ وَلَا يَنْزِعَنَّ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ)) "جان لو کہ جس شخص پر کوئی حکمران بنا ہو، پھر وہ اس کو کسی "معصیت" کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھے تو جس معصیت کا وہ ارتکاب کر رہا ہے، اُسے برا سمجھے لیکن اطاعت سے ہرگز ہاتھ نہ کھینچے"۔

(صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، رقم:۴۷۶۸)

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے حکمرانوں کی اطاعت سے بھی ہاتھ کھینچنے سے منع کیاہے جو کہ اپنا حق تو لے لیتے ہوں اور دوسروں کا حق نہ دیتے ہوں، یعنی ظلم کے ساتھ حکومت کر رہے ہوں۔

لیکن اگر کوئی حاکم کے ظلم و فسق کی بنیاد پر اس کے خلاف خروج کرے تو اس کو بھی حرام نہیں ٹھہرایا گیا مگر یہ کہ اس خروج کے لئے کچھ شرائط عائد کر دی گئیں (جن کی تفصیل آگے آئے گی)۔ یہی وجہ ہے کہ ظالم و فاسق امام اور خاص کر ظالم امام جس کو احادیث مبارکہ میں "امام جائر" کہا گیا ہے، اس کو قابل اطاعت ہونے کے باوجود اچھی نظر سے نہیں دیکھا گیا بلکہ اس پر آخرت کے حوالے سے شدید وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے امام جائر یعنی ظالم حکمران کے بارے میں فرمایا:

((إِنَّ شَرَّ الرِّعَاءِ الْحُطَمَةُ فَإِيَّاكَ أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ))

"بدترین حاکم رعایا پر "ظلم" کرنے والے ہیں، پس تم اس بات سے بچو کہ تم ان میں سے ہو"۔ (صحیح البخاری ومسلم، رواہ البزار، مجمع الزوائد ج:۵ ص:۲۳۹)

((وَإِنَّ أَبْغَضَ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَشَدَّهُ عَذَابًا إِمَامٌ جَائِرٌ))

"بے شک "ظالم" حکمران قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض اور اس کے شدید ترین عذاب میں مبتلا ہو گا"۔ (مسند احمد، ج:۳ ص:۲۲، رقم الحدیث ۱۱۱۹۰)

((مَا مِنْ أَمِيرٍ يَلِي أَمْرَ الْمُسْلِمِينَ ثُمَّ لَا يَجْهَدُ لَهُمْ وَيَنْصَحُ إِلَّا لَمْ يَدْخُلْ مَعَهُمُ الْجَنَّةَ))

"جو بھی شخص مسلمانوں کا حکمران بنتا ہے ان کے مسائل حل کرنے کی کوشش نہیں کرتا اور ان کے ساتھ خیر خواہی نہیں کرتا تو وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہو گا"۔

(صحیح مسلم، ج ۱ ص ۳۴۵ رقم الحدیث: ۲۰۵)

((مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللّٰهُ رَعِيَّةً يَمُوتُ يَوْمَ يَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لِرَعِيَّتِهِ إِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ))

"اللہ جب کسی کو لوگوں پر حکمران بنا دیتا ہے اور وہ لوگوں کے ساتھ دھوکہ کر رہا ہو تو مرنے کے بعد اللہ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے۔" (صحیح مسلم ، ج۱ص۳۴۳رقم الحدیث: ۲۰۳)

یہ تو ہے ظالم و فاسق حکمران کی ذات کے حوالے سے وعیدیں جو کہ احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ ان ہی احادیث کی بنیاد پر اسلاف میں سے کچھ فقہاء کرام یہ کہتے ہیں خلیفہ وہ ہی ہوتا ہے جو کہ عادل ہو اور ظلم و فسق سے نجات دلانے والا ہو لہٰذا اگر وہ ان مقاصد کو پورا کرنے میں ناکام رہے تو اس کو وہ فوراً تبدیل کرنے اور اس کے جگہ دوسرے خلیفہ کو مقرر کرنے کو وہ ضروری قرار دیتے ہیں۔

امام قرطبی رحمہ اللہ سورۃ البقرۃ کی آیت ﴿لَا يَنَالُ عَهْدِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ "میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا"۔ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

((قال ابن خويز منداد: وكل من كان ظالما لم يكن نبيا ولا خليفة ولا حاكما ولا مفتيا ، ولا إمام صلاة ، ولا يقبل عنه ما يرويه عن صاحب الشريعة ، ولا تقبل شهادته في الاحكام ، غير أنه لا يعزل بفسقه حتى يعزله أهل الحل والعقد.''

"ابن خویز منداد رحمہ اللہ نے کہا ہے جو بھی "ظالم" ہوتا ہے وہ نہ نبی بنتا ہے، نہ خلیفہ، نہ حاکم، نہ مفتی، نہ نماز کے امام، نہ اس کی روایت قبول کی جاتی ہے، نہ احکام میں اس کی گواہی قبول کی جاتی ہے، جب تک اپنے فسق کی وجہ سے معزول نہ کر دیا جائے اور اہل حل و عقد اس کو معزول کر دیں"۔(تفسیر القرطبی ج۲ص۱۰۹)

امام قرطبی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

''الامام إذا نصب ثم فسق بعد انبرام العقد فقال الجمهور: إنه تنفسخ إمامته و يخلع بالفسق الظاهر المعلوم ، لانه قد ثبت أن الامام إنما يقام لاقامة الحدود واستيفاء الحقوق وحفظ أموال الايتام والمجانين و النظر في أمورهم

إلى غير ذلك مما تقدم ذكره ، وما فيه من الفسق يقعده عن القيام بهذه الامور والنهوض بها۔ فلو جوزنا أن يكون فاسقا أدى إلى إبطال ما أقيم لاجله ، ألا ترى فى الابتداء إنما لم يجز أن يعقد للفاسق لاجل أنه يؤدى إلى إبطال ما أقيم له ، وكذلك هذا مثله۔“

”جب امام کا تقرر ہو جائے اور اس کے بعد وہ فسق کرے تو جمہور کہتے ہیں اس کی امامت فسخ ہو جائے گی اس کو ہٹا کر کسی اور کو امام بنایا جائے گا اگر اس نے فسق ظاہری اور معلوم کا ارتکاب کیا ہو۔ اس لیے کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ امام کا تقرر مقصد کے لیے ہوتا ہے جیسے حدود کا نفاذ اور حقوق کی ادائیگی و تحفظ ، یتیموں کے مال کی حفاظت ، مجرموں پر نظر رکھنا وغیرہ۔ مگر جب وہ خود فاسق ہو گا تو ان امور کی انجام دہی نہیں کر سکے گا۔ اگر ہم فاسق کے لیے امام برقرار رکھنا جائز قرار دیدیں تو جس مقصد کے لیے امام بنایا جاتا ہے وہ مقصد باطل ہو جائے گا اسی لیے تو ابتداء ہی سے فاسق کا امام کے لیے تقرر جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے مقصد امامت فوت ہو جاتا ہے“۔(تفسیر القرطبی ج اص۲۷۱)

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ظالم حکمران کو اختیارات کے استعمال سے روک لینا چاہیے۔ وہ معزول کیے جانے کے لائق ہے حکمران بنائے جانے کے نہیں“۔(احیاء العلوم :۲/۱۱۱)

مگر اہل سنت والجماعت کے جمہور فقہاء نے خلیفہ کے خلاف جبکہ وہ ظالم و فاسق ہو اور ابھی کسی کفر و ارتداد کا ظہور بھی اس سے نہ ہوا ہو تو اس کے خلاف خروج کو اس وقت تک جائز نہیں سمجھا جب تک وہ قوت حاصل نہ ہو جائے جس میں غالب امکان یہ ہو کہ اس خروج کے ذریعے بغیر کسی بڑے خون خرابے کے خلیفہ وقت کو تبدیل کیا جا سکے گا۔ اس شرط کی دو بنیادی وجوہات تھیں۔ اوّل یہ کہ خلافت کی سرحدوں کی وسعت کے لئے اس کی سرحدوں پر مستقل جہاد چل رہا ہوتا تھا، اگر تو بغیر معتدبہ قوت کے مسلح خروج کیا جاتا تو اس سے شدید خانہ جنگی کا خدشہ ہو جاتا جو کہ اسلامی سرحدات پر جاری جہاد پر

اثر انداز ہونے اور کفار کے دار الاسلام کے بعض علاقوں پر قبضے کی صورت میں نکل سکتا تھا۔ دومؔ یہ کہ ''عمارتِ خلافت'' اپنی جگہ قائم تھی صرف خلیفہ کی ذات میں ظلم وفسق ظاہر ہو جاتا تھا، جو کہ متعدی نہ ہوتا (جس کی وضاحت آگے آئے گی)۔ لہٰذا اگر کسی بڑی خونریزی کا اندیشہ نہ ہو اور معتدبہ طاقت موجود ہو تو اس کے خلاف خروج جائز ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

''لا ينخلع إلا بالكفر أو بترك إقامة الصلاة أو الترك إلى دعائها أو شيء من الشريعة ، لقوله عليه السلام في حديث عبادة: (وألا ننازع الامر أهله إلا أن تروا كفرا بواحا عندكم من الله فيه برهان)''

''کچھ لوگ کہتے ہیں جب تک امام کفر نہ کرے اسے ہٹایا نہیں جائے گا یا نماز ترک نہ کرے یا اور کوئی شریعت کا کام ترک نہ کردے جیسا کہ عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے: الا یہ کہ تم امام میں واضح کفر دیکھ لو جس پر تمہارے پاس دلیل ہو''۔

(تفسير القرطبي ج ١ص٢٧١)

امام ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں :

''وَنَقَلَ اِبْن التِّين عَنْ الدَّاوُدِيّ قَال: الَّذِى عَلَيْهِ الْعُلَمَاء فِي أُمَرَاء الْجَوْر أَنَّهُ إِنْ قَدَرَ عَلَى خَلْعه بِغَيْرِ فِتْنَة وَلَا ظُلْم وَجَبَ ، وَإِلَّا فَالْوَاجِب الصَّبْر۔ وَعَنْ بَعْضهمْ لَا يَجُوز عَقْد الْوِلَايَة لِفَاسِقٍ اِبْتِدَاء ، فَإِنْ أَحْدَثَ جَوْرًا بَعْدَ أَنْ كَانَ عَدْلًا فَاخْتَلَفُوا فِي جَوَاز الْخُرُوج عَلَيْهِ ، وَالصَّحِيح الْمَنْع إِلَّا أَنْ يُكَفِّر فَيُجِبْ الْخُرُوج عَلَيْهِ.

''ابن التین نے داؤدی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ امراءِ ظلم کے بارے میں علماء کی رائے یہ ہے کہ اگر بغیر فتنہ اور ظلم کے اس کو ہٹانا ممکن ہو تو ضروری اور واجب ہے ورنہ صبر واجب ہے۔ بعض نے کہا کہ فاسق کو حکومتی عہدہ دینا ہی جائز نہیں ہے اگر عہدہ حاصل

کرنے کے بعد ظلم کیا تو اس کے ہٹانے میں اختلاف ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ بغاوت سے منع ہے جب تک کہ اس سے واضح کفر صادر نہ ہو"۔

(فتح الباری لابن حجر ، ج۲۰ص۵۹ رقم: ۶۵۳۲)

امام نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

''وَأَمَّا قَوْله: (أَفَلَا نُقَاتِلهُمْ؟ قَالَ:لَا ، مَا صَلَّوْا) فَفِيهِ مَعْنَى مَا سَبَقَ أَنَّهُ لَا يَجُوز الْخُرُوج عَلَى الْخُلَفَاء بِمُجَرَّدِ الظُّلْم أَوْ الْفِسْق مَا لَمْ يُغَيِّرُوا شَيْئًا مِنْ قَوَاعِد الْإِسْلَام ''۔

"پوچھا گیا کیا ہم ان سے قتال نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں"۔ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ خلفاء کے خلاف خروج جائز نہیں صرف ظلم و فسق کی وجہ سے جب تک کہ وہ" قواعد اسلام" میں سے کسی چیز کو نہ بدل دیں "۔

(شرح النووی علی مسلم ، ج:۶، ص:۳۲۷)

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فِي الْحَدِيث حُجَّة فِي تَرْك الْخُرُوج عَلَى السُّلْطَان وَلَوْ جَارَ ، وَقَدْ أَجْمَعَ الْفُقَهَاء عَلَى وُجُوب طَاعَة السُّلْطَان الْمُتَغَلِّب وَالْجِهَاد مَعَهُ وَأَنَّ طَاعَته خَيْر مِنْ الْخُرُوج عَلَيْهِ لِمَا فِي ذَلِكَ مِنْ حَقْن الدِّمَاء وَتَسْكِين الدَّهْمَاء''

"سلطان چاہے ظالم ہی کیوں نہ ہو، اس کے خلاف مسلح بغاوت نہ کی جائے اور فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو سلطان زبردستی حاکم بن بیٹھا ہو تو (صحیح احادیث کے مطابق جائز امور میں) اس کی اطاعت واجب ہے، اور اس کے ساتھ مل کر جہاد بھی مشروع ہے، اور یہ کہ اس کی اطاعت مسلح بغاوت سے بہتر ہے کیونکہ اسی طریقے میں خونریزی سے بچاؤ اور مصیبتوں کا ازالہ ہے" (فتح الباری ، ج۲۰ص۵۸رقم: ۶۵۳۰)

ان تمام احادیث اور سلف کے اقوال سے یہ بات سامنے آئی کہ فاسق اور خاص کر ظالم حکمران کے خلاف خروج کیا جاسکتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ سلف میں سے بعض فقہاء کرام ایسے حاکم کو ہر صورت ہٹانے کو ضروری سمجھتے ہیں لیکن جمہور فقہاء کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ ایسے حاکم کی اس وقت تک اطاعت کی جائے اور اس کے خلاف خروج نہ کیا جائے جب تک اس بات کا قوی امکان نہ ہو کہ ایسے حاکم کو بغیر کسی بڑی خونریزی اور لڑائی کے بدل دیا جائے گا۔

کفر وارتداد کے مرتکب حکمران کے بارے اسلاف کا مؤقف:

ایسا حاکم جو صریح کفر وارتداد میں مبتلا ہو جائے تو سلف وخلف سب نے بالاتفاق اس کو واجب العزل قرار دیا اور اس کے خلاف خروج کو ''فرضِ عین'' قرار دیتے ہوئے اس کو ''جہاد فی سبیل اللہ'' سے تعبیر کیا جو کہ ہر قدرت رکھنے والے مسلمان پر واجب ہو جاتا ہے اور جو قدرت نہ رکھتا ہو، اس کے لئے اس سرزمین سے ہجرت کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

''اگر یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ نبی ﷺ کی رحلت کے بعد کسی اور کو حلال حرام قرار دینے کا حق ہے جو نبی ﷺ کی زندگی میں نہیں تھا، یا کسی حد کو لازمی قرار دے جو نبی ﷺ کے زمانے میں نہیں تھی، یا ایسا شرعی قانون بناتا ہے جو نبی ﷺ کی زندگی میں نہیں تھا تو وہ شخص کافر مشرک ہے، اس کی جان ومال کا حکم مرتد کا ہے''۔ (مجموع الفتاوی: ۲۸/۵۲۴)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''خلاصۂ کلام یہ کہ اس بات پر اہل علم کا اجماع ہے کہ حکمران کفر کی بناء پر (از خود) معزول ہو جاتا ہے اور ہر مسلمان پر اس کے خلاف خروج میں حصہ ڈالنا واجب ہو جاتا ہے۔ پھر جو اس کی قدرت رکھے اور اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہو وہ ثواب کا مستحق ہو گا، اور جو کوئی (قدرت کے باوجود) مداہنت و مصالحت کا رویہ اپنائے وہ گناہ گار ٹھہرے گا اور جو کوئی اس کافر حکمران کے خلاف اٹھنے کی قدرت نہ رکھے، اس پر واجب ہے کہ وہ اس سرزمین سے ہجرت کر جائے''۔ (فتح الباری، ۱۳/۱۲۳)

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اجمعوا علی ان الامامة لا تنعقد لکافر ولو طرأعلیه الکفر انعزل وکذا لوترك اقامة الصلوات والدعاء الیها وکذ البدعة''

''اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ کوئی کافر مسلمانوں کا حاکم نہیں بن سکتا اور حاکم بننے کے بعد کفر کا ارتکاب کرے تو معزول قرار پائے گا۔ اسی طرح اگر وہ نماز قائم کرنا اور اس کی طرف دعوت دینا چھوڑ دے یا بدعت جاری کرے تب بھی اس کا یہی حکم ہے''۔

(مرقاۃ المفاتیح ، ج:۱۱، ص:۳۰۳)

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''أَجْمَعَ الْعُلَمَاء عَلَى أَنَّ الْإِمَامَة لَا تَنْعَقِد لِكَافِرٍ ، وَعَلَى أَنَّهُ لَوْ طَرَأَ عَلَيْهِ الْكُفْر اِنْعَزَلَ ، قَالَ: وَكَذَا لَوْ تَرَكَ إِقَامَة الصَّلَوَات وَالدُّعَاء إِلَيْهَا''

''اس بات پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ کوئی کافر مسلمانوں کا امام (حکمران) نہیں بن سکتا اور اسی طرح اگر امام بننے کے بعد کوئی حاکم (قولی یا فعلی کفر و ارتداد کی وجہ سے) کافر ہو جائے تب بھی فوراً معزول ٹھہرے گا۔ نیز اگر وہ نماز قائم کرنا اور اس کی طرف دعوت دینا چھوڑ دے تب بھی معزول قرار پائے گا''۔ (شرح النووی ؒ علی مسلم ، ج:٦ ، ص:۳۱۴ رقم:۳۴۲۷)

قاضی عیاض رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

''فَلَوْ طَرَأَ عَلَيْهِ كُفْر وَتَغْيِير لِلشَّرْعِ أَوْ بِدْعَة خَرَجَ عَنْ حُكْم الْوِلَايَة ، وَسَقَطَتْ طَاعَته ، وَوَجَبَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ الْقِيَام عَلَيْهِ ، وَخَلْعه وَنَصْب إِمَام عَادِل إِنْ أَمْكَنَهُمْ ذَلِكَ ، فَإِنْ لَمْ يَقَع ذَلِكَ إِلَّا لِطَائِفَةٍ وَجَبَ عَلَيْهِمْ الْقِيَام بِخَلْعِ الْكَافِر ، وَلَا يَجِب فِي الْمُبْتَدِع إِلَّا إِذَا ظَنُّوا الْقُدْرَة عَلَيْهِ ، فَإِنْ تَحَقَّقُوا الْعَجْز لَمْ يَجِب الْقِيَام ، وَلْيُهَاجِرْ الْمُسْلِم عَنْ أَرْضه إِلَى غَيْرهَا ، وَيَفِرّ بِدِينِهِ''

"اگر کوئی حکمران کفر کا ارتکاب کرے، یا شریعت میں کوئی ردوبدل کرے، یا کوئی بدعت جاری کرے تو وہ بطور حکمران باقی نہیں رہتا، اس کی اطاعت "ساقط" ہو جاتی ہے اور مسلمانوں پر واجب ہو جاتا ہے کہ اگر وہ قدرت رکھتے ہوں تو اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور اسے ہٹا کر اس کی جگہ کوئی عادل حکمران مقرر کریں۔ نیز اگر پوری امت میں سے محض کوئی ایک گروہ یہ قدرت رکھتا ہو تو اس گروہ پر واجب ہو گا کہ وہ اس کافر حاکم کو اس کے منصب سے ہٹائے۔ یہ تو کافر حکمران کا معاملہ تھا، رہا بدعتی حکمران کو ہٹانا، تو تبھی واجب ہو گا جب اس بات کا غالب امکان ہو کہ اس پر غلبہ پالیا جائے گا۔ اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ مسلمان اتنی قدرت بھی نہیں رکھتے تو ایسے حکمران کے خلاف خروج واجب نہیں ہو گا۔ ایسی صورت میں ایک مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے دین کو بچاتے ہوئے اس سرزمین سے نکل جائے"۔ (شرح النووی ؒ علی مسلم، ج:٦، ص:٣١٤ رقم:٣٤٢٧)

امام الحرمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اسلام ہی اصل ہے بالفرض اگر کوئی امام دین سے نکل جائے تو اس کے منصب چھیننے اور امامت کے انقطاع اور منصب سے معزولی کو مخفی نہیں رکھا جائے گا"۔(غیاث الامم، ج:ا ص:٧٥)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اگر کوئی ایسا شخص حکمران بن جائے جس میں تمام شروط مکمل طور پر نہیں پائی جاتیں تو اسکی مخالفت میں جلدی نہیں کرنی چاہیے اس لئے کہ اس مخالفت سے ملک میں لڑائی جھگڑے فسادات پیدا ہوں گے جو کہ ملک و قوم کے مصلحت کے خلاف ہے بلکہ بہت زیادہ بگاڑ کا سبب بنیں گے لیکن اگر حکمران نے کسی اہم "دینی امر" کی مخالفت کی تو اس کے خلاف قتال جائز ہو گا بلکہ واجب ہو گا۔ اس لئے کہ اب اس نے اپنی افادیت ختم کر دی ہے

اور قوم کے لئے مزید فساد و بگاڑ کا سبب بن رہا ہے لہٰذا اس کے خلاف قتال "جہاد فی سبیل اللہ" کہلائے گا۔" (حجة اللہ البالغة ، ج:۲ص:۳۹۹)

حقیقت یہ ہے کہ ایسے حکمران جو کھلم کھلا کفر کا حکم نہیں بلکہ صرف اس کا ارتکاب کر بیٹھیں، تو سلف صالحین نے ایسے حکمرانوں کے خلاف خروج کو ہر مسلمان پر لازم اور "فرضِ عین" قرار دیا ہے۔ چناچہ کثیر فقہاء کرام نے اس کے لئے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی روایات کے الفاظ کو دلیل بنایا ہے:

((دَعَانَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْنَاهُ فَكَانَ فِيمَا أَخَذَ عَلَيْنَا أَنْ بَايَعَنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا وَأَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَأَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ قَالَ إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللّٰهِ فِيهِ بُرْهَانٌ))

"ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بلایا۔ پس آپ نے ہم سے اس بات پر بیعت لی کہ ہم سنیں گے اطاعت کریں گے چاہے حالات سخت ہوں یا ساز گار، خوشی ہو یا غمی، ہم پر کسی کو ترجیح دی جائے پھر بھی اور ہم اہل حکومت سے اختیارات واپس نہ لیں سوائے اس صورت کے کہ ان سے ایسا "واضح کفر" سرزد ہو جائے جس کے کفر ہونے پر اللہ کے دین میں صریح دلیل موجود ہو"۔ (صحیح مسلم، ج۹ص۳۷۴ رقم الحدیث:۳۴۲۷)

درج بالا حدیث کے الفاظ پر اگر غور کیا جائے تو رسول اللہ ﷺ نے "کفر بواح" کے صرف ارتکاب پر حاکم کو واجب العزل قرار دے دیا۔ چناچہ اس بات کی تائید دیگر احادیث سے بھی ہو جاتی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ اپنے ہاتھ میں قرآن اور تلوار کو لے کر یہ اصول بیان کیا:

((عن عمرو بن دینار قال رأیت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ وبیدہ السیف والمصحف وھو یقول: امرنا رسول اللہ ﷺ أن نضرب بھذا من خالف مافی ھذا))

”عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو دیکھا اس حال میں کہ ان کے ہاتھ میں ”تلوار“ اور قرآن تھا اور انہوں نے کہا: ”ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم اس تلوار سے اُس کو ماریں جو اس قرآن کے خلاف چلے“۔

(كنز العمال، ج:١، ص:٣٨٤، رقم الحديث:١٦٦٤)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فمن عدل عن الكتاب قوم بالحديد، ولهذا كان قوام الدين بالمصحف والسيف۔ وقد روي عن جابر بن عبد الله رضى الله عنهما قال: ((أمرنا رسول الله ﷺ أن نضرب بهذا)) يعنى السيف من عدل عن هذا يعنى المصحف''۔

”پس جو شخص کتاب اللہ کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرے، اُسے لوہے (یعنی تلوار) سے سیدھا کیا جائے، اس لئے کہ دین کا قیام، دین کی مضبوطی اور پائیداری کتاب اللہ اور شمشیر سے ہوتی ہے۔ سیدنا جابر بن عبد اللہ ؓ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے: ((اَنْ نَّضْرِبَ بِهَذَا)) ”یعنی تلوار سے اُسے ماریں جو قرآن سے منہ موڑے“۔(السياسة الشرعيه: باب كيفية معرفة الأصلح فى الولاية، ص١٩)

یہ تو تھا، حاکم کی جانب سے کفر بواح کا مرتکب ہونے کا معاملہ جو کہ صرف اس کی ذات تک محدود ہو جیسا کہ اس حوالے سے حدیث کے الفاظ ((إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا)) ”کہ تم اس میں کفر بواح دیکھو“ سے ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن اگر حاکم وقت کفر بواح کا تو مرتکب نہ ہو مگر وہ کھلم کھلا معصیت کا ”حکم“ ہی دینا شروع کر دے، جس کو فقہاء نے ”فسق متعدی“ سے تعبیر کرتے ہیں، بعض احادیث کے مطابق اس کا حکم بھی ”کفر بواح“ کا ہی ہے۔ احادیث مبارکہ یوں ہیں:

((عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذَلِكَ قَالَ مَا لَمْ يَأْمُرُوكَ بِإِثْمٍ بَوَاحًا))

"حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح بیعت لی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: سوائے اس کے کہ وہ تمہیں کھلم کھلا گناہ کا حکم دے"۔ (مسند احمد ج:۴۶ص:۲۲۱ ، رقم الحدیث:۲۱۶۷۵)

((الا ان يأمرك باثم بواحا عندك تأويله من الكتاب))

"سوائے اس کے کہ وہ حکم دے تم کو کھلے گناہ کا جس کی دلیل تمہارے پاس کتاب (وسنت) سے ہو"۔(مسند الشامین ج:اص:۱۴۱ ، رقم الحدیث۲۲۵)

((عبادة ابن صامت يقول: قال رسول الله ﷺ! ثم يا عبادة ، قلت لبيك ، قال اسمع واطع فی عسرك ويسرك ومكرهك واثرة عليك وان اكلو مالك وضربواظهرك الا ان تكون معصية الله بواحا))

"حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عبادۃ! انہوں نے کہا حاضر ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو اور اطاعت کرو چاہے تمہیں آسان لگے یا مشکل اور چاہے تم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے اور چاہے وہ تمہارے مال لے لے اور تمہاری پیٹھوں پر مارے سوائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کھلم کھلا نافرمانی کا حکم دے"۔(صحیح ابن حبان ج:۱۰ص:۴۲۸ ، رقم الحدیث ۴۵۶۶)

((يا عبادة اسمع واطع فی عسرك ويسرك ومنشطك ومكرهك واثرة عليك وان اكلوامالك وضربوا ظهرك الا ان تكون معصية الله عزوجل بواحا))

"اے عبادۃ! سنو اور اطاعت کرو چاہے تمہیں آسان لگے یا مشکل اور چاہے تم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے اور چاہے وہ تمہارے مال لے لے اور تمہاری پیٹھوں پر مارے سوائے اس کے بات کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کھلم کھلا نافرمانی کا حکم دے"۔

(الفردوس بماثور الخطاب ج:۵ص:۳۸۵ ، رقم الحدیث ۸۵۰۶)

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ:

((مالم یأمروك باثم بواحا))

"جب تک وہ تمہیں حکم نہ دیں کھلم کھلا معصیت کا"۔

(السنة لابن عاصم ج:۳ص۱۵۷، هذا اسناد صحيح على شرط الشيخين)

چنانچہ "فسق متعدی" کے بارے میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ساتویں قسم یہ ہے کہ حاکم ایسے فسق کا مرتکب ہو جو (اس کی ذات تک محدود نہ ہو بلکہ) لوگوں کے دین پر اثر انداز ہو، مثلاً وہ انہیں گناہوں پر مجبور کرے۔ اس جبر پر "اکراہ" ہی کے احکامات لاگو ہوتے ہیں، جو کہ اپنے مقام پر تفصیلاً بیان کئے جاچکے ہیں۔ یہ جبر و اکراہ بعض مرتبہ حقیقتاً اور بعض مرتبہ حکماً کفر میں داخل ہو جاتا ہے...... مثلاً جب حاکم شریعت سے متصادم قوانین (جو کہ معصیات پر مبنی ہوں ان) کے نفاذ پر اصرار کرے۔ اب اگر تو وہ ایسا اس وجہ سے کرتا ہے کہ وہ ان کے خلافِ شرع قوانین کو شرعی قوانین سے بہتر سمجھتا ہے تو یہ "کفر صریح" ہے اور اگر وہ (ایسا نہیں سمجھتا لیکن) شریعت کے نفاذ میں سستی ولاپرواہی سے کام لیتا ہے اور غالب گمان یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ عرصے تک (معصیت پر مبنی) خلافِ شرع نظام چلتے رہنے کے نتیجے میں دلوں سے شریعت کی عظمت اٹھ جائے گی...... تو ایسی سستی و "غفلت" اگرچہ حقیقتاً کفرِ صریح تو نہیں کہ اس کے مرتکب کو کافر قرار دیا جائے لیکن اسے حکم شرعی کے اعتبار سے کفر ہی میں داخل سمجھا جائے گا۔ (جیسا کہ فقہ کا اصول ہے کہ مقدمة الشئی بحکم ذلك الشیئی)۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی علاقے کے لوگ اذان دینے سے انکار کر دیں تو ان کے خلاف قتال جائز ہو گا کیونکہ اذان شعائر دین (اور سنن) میں سے ہے اور اسے ترک کرنا اس کی عظمت و اہمیت کو ختم کرنے کے مترادف ہے۔ تفصیل کے لئے کتاب "رد المختار" کا باب "باب الاذان" دیکھئے۔ پس اس صورت میں یہ ساتویں قسم بھی تیسری قسم یعنی کفرِ بواح (کفرِ

صریح) میں شامل سمجھی جائے گی اور ایسے میں تیسری قسم میں ذکر کردہ تفصیلی احکام کو ملحوظ رکھتے ہوئے خروج جائز ہوگا''۔

(تکملۃ فتح الملھم بشرح صحیح المسلم ، المجلد الثالث ، کتاب الامارۃ)

درج بالا کلام سے جو کہ ہم ظلم وفسق اور کفر وارتداد کے ساتھ حکومت کرنے والے کے ضمن میں پڑھ آئے ہیں اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ ''قدرت وطاقت'' کی شرط صرف ظالم وفاسق حکمران کے خلاف خروج کے لئے ہے ورنہ بصورت دیگر صبر اور انتظار کا حکم ہے لیکن حاکم کے کفر بواح کی صورت میں ''خروج'' پوری امت پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور اگر امت غفلت کا مظاہرہ کرے تو ایک چھوٹے سے گروہ پر بھی واجب ہو گا کہ اس حاکم کو معزول کردیں اور جو کوئی قدرت نہ رکھتا ہو، اس کے لئے یہ نہیں کہ وہ اطمینان وسکون سے وہاں زندگی گزارتا رہے بلکہ اس کے لئے اس سرزمین سے ہجرت کر جانے کا حکم ہے۔ جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کا کلام ہم پیچھے پڑھ آئے کہ:

''وَلْيُهَاجِرِ الْمُسْلِمِ عَنْ أَرْضه إِلَى غَيْرِهَا ، وَيَفِرّ بِدِينِهِ''

''ایسی صورت میں ایک مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے دین کو بچاتے ہوئے اس سرزمین سے نکل جائے''۔ (شرح النووی علی مسلم ، ج:٦، ص:٣١٤ رقم:٣٤٢٧)

اور جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''خلاصۂ کلام یہ کہ اس بات پر اہل علم کا اجماع ہے کہ حکمران کفر کی بناء پر (ازخود) معزول ہو جاتا ہے اور ہر مسلمان پر اس کے خلاف خروج میں حصہ ڈالنا واجب ہو جاتا ہے۔ پھر جو اس کی قدرت رکھے اور اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہو وہ ثواب کا مستحق ہو گا، اور جو کوئی (قدرت کے باوجود) مداہنت ومصالحت کا رویہ اپنائے وہ گناہ گار ٹھہرے گا اور جو کوئی اس کافر حکمران کے خلاف اٹھنے کی قدرت نہ رکھے، اس پر واجب ہے کہ وہ اس سرزمین سے ہجرت کر جائے''۔(فتح الباری ، ١٣/١٢٣)

بس جو شخص شریعت میں بیان کردہ ظالم و جابر اور کفر وارتداد کے مرتکب حاکم کے خلاف خروج کی شرائط کو خلط ملط کرے تو وہ درحقیقت احکام شریعت سے بالکل ناواقف ہے یا پھر وہ احکام شریعت میں تحریف کا مرتکب ہو رہا ہے۔

پانچواں نظری مسئلہ

کیا بے نماز حکمران کی ولایت کفر بواح کے باوجود تسلیم کی جائے گی......؟؟

حافظ صاحب نے بعض احادیث کو بنیاد بنا کر کہتے ہیں کہ ایسے حکمران جو کہ عامۃ المسلمین پر ظلم و ستم کے مرتکب ہو رہے ہوں لیکن وہ نماز کا اہتمام کرتے ہوں تو ان کے خلاف خروج سے منع کیا ہے۔ چناچہ حافظ صاحب نے احادیث میں وارد شدہ الفاظ کہ ''لاما صلوا'' اور ''لا ما اقاموا فیکم الصلوۃ'' سے حکمران کا اپنی نماز کا اہتمام کرنا مراد لیا ہے۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

{''یہ واضح رہے کہ اس روایت میں ''اقامتِ صلوۃ'' مراد حکمران کا اپنی نماز کو قائم کرنا، اس کی حفاظت کرنا اور اس کو ضائع نہ کرنا ہے''۔} (صفحہ نمبر:۱۷۰)

اسی وجہ سے حافظ صاحب نے حدیث کے الفاظ ''لا ما اقاموا فیکم الصلوۃ'' کا ترجمہ ''جب تک کہ وہ تمہارے درمیان نماز قائم کرتے رہیں'' کے بجائے کچھ یوں کیا:

{''جب تک کہ وہ تمہارے مابین نماز پڑھتے رہیں''۔} (صفحہ نمبر:۱۷۰)

لیکن اگر ان احادیث کے ذیل میں محدثین کے کلام کو سامنے رکھا جائے تو بات بالکل عیاں ہے کہ وہ ان احادیث کو صرف حکمران کی اپنی نماز کے اہتمام سے مقید نہیں کرتے بلکہ وہ اس کو مسلمانوں کے درمیان نماز کے قیام اور اس کے متعلقہ احکامات کے نفاذ کے ساتھ ساتھ پورے کے پورے دین کے عملی نفاذ سے تعبیر کرتے ہیں۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''أَجْمَعَ الْعُلَمَاء عَلَى أَنَّ الْإِمَامَة...... وَ كَذَا لَوْ تَرَكَ إِقَامَة الصَّلَوَات وَالدُّعَاء إِلَيْهَا''

”اس بات پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ......حاکم اگر نماز قائم کرنا اور اس کی طرف دعوت دینا چھوڑ دے تب بھی معزول قرار پائے گا“۔

(شرح النووی ؒ علی مسلم ،ج:٦ ، ص:٣١٤ رقم:٣٤٢٧)

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اجمعوا على ان الامامة.......وكذا لو ترك اقامة الصلوات والدعاء اليها و كذا البدعة''

”اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ......حاکم اگر نماز قائم کرنا اور اس کی طرف دعوت دینا چھوڑ دے یا بدعت جاری کرے تب بھی اس کا یہی حکم ہے“۔

(مرقاۃ المفاتیح ،ج:١١،ص:٣٠٣)

بالفرض اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہاں اس سے صرف نماز کا قیام ہی مراد ہے تو پہلا سوال یہ ہے کہ کیا جو حکمران نظام صلوۃ کا قیام نہ کرے اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہوگا آیا وہ مسلمان قرار پائے گا یا مرتد ٹھہرے گا؟ چناچہ حافظ صاحب اس حوالے سے فقہاء کرام میں سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی رائے کو اختیار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

{”ہمارا رجان امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی رائے کی طرف ہے۔ پس بے نماز حکمران کا فسق و فجور زیادہ ہے کہ جس کی وجہ سے اس کے اس فعل کو احادیث میں ایک کفریہ فعل قرار دیا گیا ہے“۔}

چناچہ فقہاء کرام کی اس رائے کو بھی اگر ترجیح دیدی جائے کہ تارک صلوٰۃ کافر نہیں، اس کے باوجود یہ بات نہایت غور طلب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں پر حکومت کرنے والے ایسے شخص کو جب حق ولایت سے محروم کر دیا جو منکرِ نماز نہیں بلکہ صرف نماز کا اہتمام نہیں کرتا، تو کیا اللہ کے رسول ﷺ ایسے حکمرانوں کا مسلمانوں پر حق ولایت تسلیم کریں گے جو ”کفر بواح“ یا صریح ارتداد کے مرتکب ہو چکے ہوں؟ جیسا کہ یہود و نصاریٰ سے دوستی اور وضعی قوانین کا نفاذ۔

افسوس! حافظ صاحب نے احادیث کی بنیاد پر یہ تو نقل کر دیا کہ ”بے نماز حکمران“ کے خلاف خروج جائز نہیں لیکن یہ وضاحت فرمانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ آیا اس کا اطلاق صرف ظالم وجابر حکمران پر ہوتا ہے، یا پھر اس میں کفر وارتداد کے مرتکب حکمران بھی شامل ہوں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کا اطلاق صرف ظالم وجابر حاکم پر ہوتا ہے، کفر وارتداد کے مرتکب حاکم پر اس کا اطلاق کسی صورت نہیں کیا جاسکتا۔ چناچہ اس امر کی وضاحت امام نووی رحمہ اللہ کے اس کلام سے ہو جاتی ہے کہ:

”وَأَمَّا قَوْله: (أَفَلَا نُقَاتِلهُمْ؟ قَالَ: لَا ، مَا صَلَّوْا) فَفِيهِ مَعْنَى مَا سَبَقَ أَنَّهُ لَا يَجُوز الْخُرُوج عَلَى الْخُلَفَاء بِمُجَرَّدِ الظُّلْم أَوْ الْفِسْق مَا لَمْ يُغَيِّرُوا شَيْئًا مِنْ قَوَاعِد الْإِسْلَام“۔

”پوچھا گیا کیا ہم ان سے قتال نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں“۔ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ خلفاء کے خلاف خروج جائز نہیں صرف ظلم وفسق کی وجہ سے جب تک کہ وہ بدل نہ دیں ”قواعد اسلام“ میں سے کسی چیز کو“۔

(شرح النووی علی مسلم، ج:٦، ص:٣٢٧)

قاضی عیاض رحمہ اللہ ان احادیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

”معنی ما صلّوا: ماداموا علی الاسلام ، فالصلوۃ اشارۃ ذلك“

”یہ جو فرمایا گیا ہے کہ ”جب تک وہ نماز پڑھیں“ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسلام پر باقی رہیں، نماز سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا“۔ (تکملۃ فتح الملھم ج:٣ص:١٩٩)

اس کے باوجود ان احادیث کی بنیاد پر بعض لوگ یہ بات اخذ کرتے ہیں کہ حکمران چاہے کتنا ہی افعالِ کفر وارتداد کرتا رہے، کتنا ہی الحکم بغیر ما انزل اللہ کے حکومت کرتا رہے اور کتنا ہی کفار ومشرکین سے اپنی وفاداریاں نبھاتا رہے لیکن وہ اگر نماز کا قیام کر رہا ہے تو اس کا مسلمانوں پر حکومت کرنا جائز ہے اور اس کے خلاف خروج کرنا جائز نہیں، حالانکہ یہ بات کسی صورت درست نہیں۔

چناچہ احادیث سے یہ بات واضح ہے کہ ایسا حکمران جو کہ الحکم بغیر ماانزل اللہ کے حکومت کرے تو اس کی نماز ہی بارگاہِ الٰہی میں قبول نہیں، تو ایسے شخص کی "ولایت" کیسے قبول کی جاسکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((عن طلحة بن عبيد الله رضى الله تعالىٰ عنه قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: ألا أيهاالناس لايقبل الله صلاة امام حكم بغير ماأنزل الله))

"حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: آگاہ ہو جاؤ! اللہ اُس امام کی نماز قبول نہیں کرتا جو کہ اللہ کی نازل کردہ (شریعت) کے سوا فیصلے جاری کرے"۔

(مستدرك الحاكم للصحيحين ، ج:١٦ص:٣٣٠رقم:٧١٠٨- هذا حديث صحيحا لاسناد ولم يخرجاه)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں:

((لا يقبل الله صلاة امام حكم بغير ما أنزل الله ولا يقبل الله صلاة عبد بغير طهور ولا صدقة من غلول))

"اللہ اُس امام کی نماز قبول نہیں کرتا جو کہ اللہ کی نازل کردہ (شریعت) کے سوا فیصلے جارے کرے (جیسے) اللہ قبول نہیں کرتا کسی بندے کی بغیر طہارت کے نماز اور وہ صدقہ جو غبن کئے ہوئے مال میں سے دیا جائے"۔ (كنز العمال ، ج:٦ص:٤٠رقم:١٤٧٦٢)

اگر بالفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ یہاں اس سے مراد فقط حکمران کی اپنی نماز ہے تو یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ بلاد اسلامیہ پر حکومت کرنے والے اکثر حکمران (بشمول پاکستان) بے نمازی رہے ہیں، اور سوائے عیدین کے وہ کبھی مساجد میں نظر ہی نہیں آتے۔ الا ماشاء اللہ!

اس کے علاوہ ایسا شخص جو کہ ایسے عقائد کا حامل ہو کہ جس کی بنیاد پر اس کی نماز کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی ہو، جیسا کہ رافضی شیعہ، تو کیا اس صورت میں اس کی حکمرانی کا کوئی جواز ہو گا؟ پاکستان میں

دو دفعہ ایک رافضی شیعہ عورت بطور وزیر اعظم اپنے عہدے پر فائز رہی اور پھر اس کے بعد اس کا رافضی شوہر عہدۂ صدارت پر پانچ سال تک براجمان رہا اور اس کے ساتھ وزیر اعظم، قومی اسمبلی کے اسپیکر اور دیگر کئی اہم وزارتوں پر رافضی شیعہ فائز رہے لیکن حافظ صاحب جیسے مفکرین کے پیٹ میں کوئی مروڑ واقع نہیں ہوئی بلکہ خاموشی کے ساتھ ان کی ولایت کو برضا و رغبت قبول کر لیا گیا۔

چھٹا نظری مسئلہ

کیا حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حجاج کے کفر کے باوجود قتال نہیں کیا تھا......؟؟

حافظ صاحب نے حکمرانوں کے خلاف قتال کو حد درجے ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، چاہے وہ حاکم کتنے ہی بڑے بڑے جرائم کا مرتکب ہی کیوں نہ ہوا ہو۔ چناچہ وہ اسلامی تاریخ کا حوالہ دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حجاج بن یوسف سے بڑھ کر اسلامی تاریخ میں بدترین حاکم کوئی نہیں گزرا کہ جس نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا خاتمہ کیا، ان کو سولی پر چڑھایا اور بیت اللہ پر سنگ باری کر کے اس کو شہید کیا لیکن اس کے باوجود اس موقع پر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حجاج بن یوسف کے خلاف قتال کرنے سے رکے رہے بلکہ حجاج کے خلاف قتال کو فتنے سے تعبیر کیا۔

چناچہ حافظ صاحب نے اپنے اس موٴقف کی دلیل میں حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا حجاج بن یوسف ثقفی کے خلاف مسلح خروج کے حوالے سے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کو نقل کرتے ہیں جو کہ صحیح بخاری میں یوں وارد ہوا:

> ”حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو فتنہ ہوا، اُس دور میں دو آدمی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ لوگ ضائع ہو رہے ہیں اور آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں اور نبی کریم ﷺ کے صحابی ہیں، تو پھر آپ کو اس بات سے کس چیز نے روکا ہوا ہے کہ آپ باہر نکلیں (اور لڑائی میں شریک ہوں؟) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”مجھے اس بات نے روکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بھائی کا خون حرام کیا ہے۔“ اس پر انہوں نے کہا کہ، ”کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا

کہ، اُن سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ہم نے لڑائی کی ہے، یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو گیا اور دین (نظام) اللہ کا ہو گیا اور تم چاہتے ہو کہ لڑائی کرو، یہاں تک کہ فتنہ پیدا ہو جائے اور دین اللہ کے سوا کسی اور کا ہو جائے"۔

(صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قوله تعالیٰ ﴿و قاتلوهم حتی لا تکون فتنة﴾۔ حدیث:۴۵۱۳)

لیکن حافظ صاحب نے یہاں بھی یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ طرز عمل کس بات پر دلالت کرتا ہے؟ بلکہ حافظ صاحب نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے مؤقف کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ جس سے کتاب پڑھنے والے کے سامنے یہ تصور سامنے آتا ہے کہ حاکم کے خلاف مسلح خروج کسی بھی صورت جائز نہیں۔ جیسا کہ وہ کہتے ہیں:

{"حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی اندیشے سے حکمرانوں کے خلاف قتال کو فتنہ قرار دیا تھا کہ اس سے مسئلہ سلجھنے کے بجائے باہمی قتل وغارت بڑھنے کے یقینی امکانات موجود تھے"۔} (صفحہ نمبر:۲۱۳)

حقیقت یہ ہے کہ حجاج بن یوسف ثقفی کے معاملے میں حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اختلاف دراصل حجاج کے "کفر" کے بارے میں تھا، نہ یہ کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حجاج کے کفر کے باوجود فتنہ سے بچنے کے لئے مسلح خروج نہیں کیا، جیسا کہ کتاب پڑھنے والا سمجھنے لگتا ہے اور جیسا کہ بعض لوگ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ سلف و صالحین میں سے کسی نے حجاج بن یوسف کو کافر قرار نہیں دیا۔ روایات سے تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ حجاج کے بارے میں اصل اختلاف اس کے کفر کے بارے میں تھا:

((حدثنا علی بن حمشاذ العدل......ثناسفیان الثوری عن سلمة بن کهیل قال: اختلف أنا و ذر المرهبی فی الحجاج ، فقال"مومن" و قلت "کافر"۔ وبیان صحته ما أطلق فیه مجاهد بن جبر رضی الله تعالیٰ عنه))

"سلمہ بن کہیل فرماتے ہیں کہ میرے اور ذرالمرھبی کے درمیان اختلاف ہوا حجاج کے (کفر) کے بارے میں۔ انہوں نے کہا کہ وہ "مومن" ہے اور میں نے کہا کہ وہ "کافر" ہے۔

(میری) اس بات کی دلیل کہ (حجاج کافر تھا) وہ حکم ہے جو حضرت مجاہد بن جبر رضی اللہ عنہ نے حجاج کے بارے میں دیا تھا"۔

(مستدرك الحاكم للصحيحين ،ج:۱۴ ، ص:۴۳۶ ، رقم:۶۴۱۷)

حقیقت یہ ہے کہ حجاج بن یوسف کے خلاف مسلح خروج حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد ابن الاشعث رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء میں شامل بڑے بڑے تابعین اس کے کفر کی وجہ سے کر رہے تھے جبکہ غالباً حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے وہ حقائق نہ آسکے جن کی بنیاد پر آپ رضی اللہ عنہ اس کے کفر سے ناواقفیت کی وجہ سے اس کو ظالم وفاسق سمجھ رہے تھے، جیسا کہ ان کے اس قول سے بھی ظاہر ہوتا ہے جو کہ صحیح بخاری میں یوں منقول ہے:

((انی لااعلم غدرا أعظم من أن يبايع رجل على بيع الله ورسوله ثم ينصب له القتال))

"میں اس سے بڑی غداری کوئی اور نہیں سمجھتا کہ کسی شخص سے اللہ اور رسول کے نام پر بیعت لی جائے، پھر اُس کے خلاف جنگ ٹھان لی جائے"۔

(صحيح البخاری ، کتاب الفتن ، حدیث۷۱۱۱)

اور ظاہر ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بات بعید ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کی اطاعت تسلیم کئے رہتے اور بیعت فسخ نہ کرتے جس کو وہ کافر سمجھتے ہوں، اور پھر آپ رضی اللہ عنہ کا یہ

کہنا کہ "ہم نے (رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے ساتھ مل کر کفار سے) لڑائی کی ہے، یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو گیا اور دین (نظام) اللہ کا ہو گیا" اور ان کا یہ کہنا "مجھے اس بات نے روکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بھائی کا خون حرام کیا ہے"۔ سے بھی یہ بات بھی بعید از قیاس ہے کہ اگر وہ اس کے کفر سے واقف ہوتے تو جس بنیاد پر حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء حجاج سے لڑ رہے تھے تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کبھی حجاج یا اس کی فوج کو اپنا بھائی نہیں قرار دیتے اور یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ اگر حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء نے حجاج کے خلاف مسلح خروج اس کے کفر کی بناء پر کیا تھا، جیسا کہ روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ حجاج بن یوسف کو طاغوت سمجھتے تھے۔ ابو بکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے کتاب الایمان ص:۳۲ میں (مشہور تابعی) امام شعبی رحمہ اللہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا کہ انہوں نے کہا:

"میں گواہی دیتا ہوں وہ حجاج طاغوت پر ایمان رکھتا ہے اور اللہ کا انکار کرتا ہے"۔

اسی طرح طاؤس رحمہ اللہ کا صحیح سند کے ساتھ یہ قول منقول ہے کہ:

"اہل عراق پر تعجب ہے کہ حجاج کو مؤمن کہتے ہیں"۔

اسے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تہذیب التہذیب (۲/۲۱۱) میں ذکر کیا اور کہا:

"اسے (حجاج کو) ایک جماعت نے کافر کہا جن میں سعید بن جبیر رحمہ اللہ، امام ابراہیم النخعی رحمہ اللہ، امام مجاہد رحمہ اللہ، عاصم بن ابی النجود رحمہ اللہ اور امام شعبی رحمہ اللہ وغیرہ شامل ہیں۔"

چنانچہ حجاج بن یوسف کے خلاف خروج کے نتیجے میں حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت حجاز اور عراق تک پھیل گئی تھی۔ لیکن اس کے کچھ عرصے بعد حالات تبدیل ہوئے اور حجاج بن یوسف نے بالآخر حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا خاتمہ کیا، ہزاروں مسلمانوں کو قتل کیا، حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو سولی پر چڑھایا اور اس دوران سنگ باری کر کے بیت اللہ تک کو ڈھا دیا گیا۔

حقیقت یہ ہے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جس قبیح افعال کا ارتکاب حجاج نے کیا تھا، اس کو بھی جان لیا جائے تا کہ حجاج کے معاملے میں اصل حقائق سامنے آسکیں۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ:

''حضرت ابو نوفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہر (مکہ) کی ایک گھاٹی پر (سولی پر لٹکتے ہوئے) دیکھا۔ حضرت ابو نوفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قریشی اور دوسرے لوگ بھی اس طرف سے گزرتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ گزرے تو وہاں کھڑے ہو کر فرمایا: اے ابو خبیب! آپ پر سلامتی ہو (تین دفعہ فرمایا)۔ اللہ کی قسم! میں نے آپ کو اس کام سے پہلے ہی روکا تھا (تین دفعہ) فرمایا۔ اللہ کی قسم! (دشمن کی نظر میں) آپ کا گروہ سب سے بُرا گروہ تھا (لیکن اللہ کی نظر میں) وہ سب سے اچھا گروہ تھا''۔

چناچہ جب حجاج کو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی لاش پر کھڑے ہونے اور کلام کرنے کی اطلاع پہنچی تو اسی حدیث میں ہے کہ:

''تو حجاج نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی نعش اُس گھاٹی سے اتروا کر ''یہود کے قبرستان'' میں پھکوادی۔ پھر اس نے آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ (ذات النطاقین) حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی طرف آدمی بھیج کر اُن کو بلوایا۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہانے آنے سے انکار کر دیا۔ حجاج نے دوبارہ بلوانے بھیجا اور کہنے لگا کہ اگر کوئی ہے تو (ٹھیک ہے) ورنہ میں تیری طرف ایک ایسے آدمی کو بھیجوں گا جو تیرے ''بالوں'' کو کھینچتا ہوا تجھے میرے پاس لے آئے گا''۔

اس کے باوجود حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہانے اس کے پاس جانے سے انکار کر دیا۔ تو پھر حجاج خود حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے پاس اکڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا:

''کیا تونے دیکھا کہ میں نے اللہ کے دشمن کے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے''۔

تو اس کے جواب میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے فرمایا:
”میں نے دیکھا ہے کہ تو نے اس کی (بظاہر) دنیا خراب کر دی ہے لیکن اس نے (حقیقتاً) تیری آخرت خراب کر دی ہے۔“
پھر آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:
”(اے حجاج!) سن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ قبیلہ ثقیف میں ایک کذاب اور دوسرا ایک ہلاکو پیدا ہو گا۔ تو کذاب کو تو (پہلے) ہم نے دیکھ لیا تھا (یعنی ابی عبید) اور میں ہلاکو تیرے علاوہ کسی کو نہیں سمجھتی“۔ (صحیح مسلم، ج:۱۲، ص:۳۸۰، رقم:۴۶۱۷)

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ:
”جب حجاج بن یوسف حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر چکا تو حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے پاس آکر کہنے لگا کہ آپ کے بیٹے نے حرم شریف میں کجی اور الحاد کی راہ اختیار کی تھی، اس لئے اللہ نے اسے دردناک عذاب کا مزہ چکھا دیا اور اس کے ساتھ جو کرنا تھا سو کر لیا، تو حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تو جھوٹ بولتا ہے، وہ تو والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا تھا، صائم النھار اور قائم اللیل تھا، بخدا ہمیں نبی کریم ﷺ پہلے ہی بتا چکے تھے کہ بنو ثقیف میں سے دو کذاب آدمیوں کا خروج عنقریب ہو گا جن میں سے دوسرا پہلے کے نسبت زیادہ بڑا شر اور فتنہ ہو گا اور وہ مبیر (یعنی لوگوں کو کثرت سے ہلاک کرنے والا) ہو گا (اور وہ تو ہے)“۔

(مسند احمد، ج:۵۴، ص:۴۰۸، رقم:۲۵۷۳۵)

لیکن حافظ صاحب اپنی کتاب میں یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان تمام جرائم کے ارتکاب کے باوجود حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حجاج کے خلاف قتال کے قائل نہیں تھے اور بہر حال اس کے خلاف قتال کو فتنے سے تعبیر کرتے تھے۔ جیسا کہ حافظ صاحب لکھتے ہیں:

{"اسلامی تاریخ میں شاید ہی حجاج بن یوسف جیسے سفاک اور ظالم حکمران کی کوئی اور مثال موجود ہو جس نے صحابیِ رسول حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے خاتمے کے لئے مکہ کا محاصرہ کیا، ان کو شہید کروا کے سولی پر چڑھایا، بیت اللہ پر سنگ باری کروائی اور ہزاروں مسلمانوں کو صرف اپنے اور بنو امیہ کے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لئے شہید کروایا۔ اس شخص کے ظلم و ستم سے تنگ آکر جب دو اصحاب حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے......"۔}

پھر حافظ صاحب نے صحیح بخاری کی وہ روایت نقل کی جو کہ ابھی ہم پڑھ چکے ہیں، جس سے پڑھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا صحیح بخاری میں منقول مؤقف حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت، خانہ کعبہ پر سنگ باری کے بعد کا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت پر حجاج بن یوسف کی طرف سے کئے جانے والے افعال قبیح یعنی حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی لاش یہودی قبرستان میں پھکوانے، حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کو بالوں سے پکڑ کر اپنے پاس بلوانے کی دھمکی دینے، حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تحقیر کرنے اور ان کا استہزاء کرنے کے بعد محسوس ایسا ہوتا ہے کہ آخر کار حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پر بھی وہ حقیقت آشکارا ہو گئی تھی جس کی بناء پر حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حجاج کے خلاف خروج کیا تھا۔ چناچہ حبیب بن ابی ثابت روایت کرتے ہیں کہ:

((ابن عمر رضی اللہ عنہ جالس فی ناحیة وابناہ عن یمینه وشماله وقد خطب الحجاج بن یوسف الناس فقال: ألا ان ابن الزبیر نکس کتاب الله ، نکس الله قلبه ، فقال ابن عمر رضی اللہ عنہ ألا ان ذلك لیس بیدك ولا بیده، فسکت الحجاج هنیئة ان شئت قلت طویلا وان شئت قلت لیس بطویل ثم قال ألا ان الله قد علمنا

کل مسلم ، وایاك أیها الشیخ انه یفعل ، قال فجعل ابن عمر رضی الله عنه یضحك فقال لمن حوله: أما انی قد ترکت التی فیها الفصل ان أقول - کذبت))

"حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (ایک دفعہ مسجد حرام) کے ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے بیٹے بھی آپ کے ارد گرد بیٹھے تھے تو حجاج بن یوسف نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ "آگاہ ہو جاؤ! ابن زبیر نے اللہ کی کتاب کو توڑا، اللہ نے اس کے دل کو توڑ ڈالا"۔ پس حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اسی وقت گویا ہوئے اور فرمایا: "جان لو! بے شک ان کا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے اور نہ تیرا معاملہ اُن کے ہاتھ میں۔ پس حجاج اسی وقت خاموش ہو گیا۔ (راوی کہتے ہیں کہ تم یہ سمجھو کہ وہ تھوڑی دیر خاموش رہا یا کافی دیر خاموش رہا) پھر حجاج نے کہا کہ "آگاہ ہو جاؤ! کیا اللہ نے ہم پر، تمام مسلمانوں پر اور تم پر ظاہر نہیں کیا کہ اس نے ایسا ہی (برا کام) کیا۔ (راوی کہتے ہیں) پس حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مسکرائے اور اپنے گرد و نواح کے لوگوں سے فرمایا کہ "میں نے اس مسئلے میں یہ بات کہہ کر فیصلہ نہیں کر دیا کہ تو" جھوٹا" ہے"۔

(مصنف عبدالرزاق، ج:۷، ص:۲۹۶)

((عن عطیة قال قلت لمولی لابن عمر رضی الله عنه کیف کان موت ابن عمر؟ قال انه نکر علی الحجاج بن یوسف أفاعیله فی قتل بن الزبیر وقام الیه فأسمعه ، فقال الحجاج اسکت یا شیخاً قد خرفت))

"حضرت عطیہ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام سے پوچھا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی موت کس حال میں ہوئی؟ تو انہوں نے کہا آپ رضی اللہ عنہ کی موت اس حال میں آئی کہ آپ رضی اللہ عنہ حجاج بن یوسف پر نکیر کرنے والے تھے بسبب ان افعال کے جو اس نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے قتل کے معاملے میں کئے چناچہ (ایک دفعہ) آپ کھڑے ہوئے اور آپ نے اس کو سنائی۔

پس حجاج کہنے لگا آپ رضی اللہ عنہ سے کہ "خاموش ہو جاؤ اے بڈھے، بے شک تیری عقل ماری گئی ہے"۔(مستدرك الحاكم للصحيحين، ج:١٤، ص:٤٦٩، رقم:٦٤٢٢)

آثار سے (جیسا کہ اسد الغابہ وغیرہ سے) یہ پتا چلتا ہے کہ حجاج بن یوسف ثقفی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو درج بالا "کلمۂ حق" کہنے کی پاداش میں خفیہ طور پر زہر میں بجھے ہوئے تیر سے زخمی کروا دیا تھا۔ چناچہ زہر تیزی سے جسم میں سرایت کرنے لگا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جب یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ جاں بر نہیں ہو سکیں گے تو وہ مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے آئے اور چند دن بعد اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہ کو بھی شہادت کے اعلیٰ ترین رتبہ سے سرفراز فرمایا۔ چناچہ مستدرک حاکم کی ایک حدیث کے مطابق جس میں یہ ذکر ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اللہ کے رسول ﷺ سے مؤذن بننے کی درخواست کی تھی تاکہ ان کو وہ فضیلت حاصل ہو سکے جو کہ قیامت کے دن مؤذنوں کو حاصل ہو گی۔ چناچہ اس روایت کے نقل کرنے والے راوی فرماتے ہیں:

((قد ذكرت في مقتل عبدالله بن زبير رضي الله عنه من جرأة الحجاج بن يوسف على الله تعالىٰ وعلى رسول الله ﷺ وتهاونه بالحرمين وأهل بيت الصديق رضي الله عنهم مايكتفي به العاقل من معرفته ، فاسمع الآن أقاويل الصحابة رضي الله عنهم والتابعين فيه وشهادتهم على عقيدته بعد قتله عبدالله بن زبير رضي الله عنه ، وعبدالله بن عمر بن الخطاب ، وسعيد بن جبير))

"مجھے اس واقعہ کا خیال حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے قتل ہونے کے زمانے میں آیا جب میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف حجاج کی جرأت دیکھی اور اس کو حرمین کی بربادی اور اہل بیت صدیق رضی اللہ عنہم کی بے حرمتی کرتے دیکھا۔ پس یہ واقعات کسی عاقل کے لئے اس بات پر کفایت کرتے تھے کہ اس کو اس (حجاج) کی اصل حقیقت معلوم ہو جائے۔ اب ان صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کے اقوال کو دیکھو جو اِس (حجاج) کے عقیدۂ سوء پر دلالت کرتے ہیں بعد اس کے کہ اس نے حضرت عبداللہ بن

زبیر رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کو شہید کر دیا"۔(مستدرك الحاكم للصحيحين، ج:۱۴ص:۴۶۲ رقم:۶۴۱۶)

یہی وجہ ہے کہ عاصم بن ابی النجود رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
"کوئی برائی ایسی نہ تھی جس کا ارتکاب حجاج نے نہ کیا ہو"۔
(بحوالہ "معجزات الرسول ﷺ "ص:۴۱۸، از مصطفی مراد مصر)

اور عمر ثانی خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ حجاج کے بارے میں فرماتے ہیں:
"اگر ہر امت اپنا اپنا خبیث آدمی لے کر آئے اور ہم ان کے مقابلے میں حجاج کو پیش کر دیں تو ہم ان لوگوں پر بھاری رہیں گے"۔
(بحوالہ "معجزات الرسول ﷺ "ص:۴۱۸، از مصطفی مراد مصر)

سوال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے سابقہ موٴقف کو آج کے طواغیت کے کفر وارتداد کو چھپانے اور ان کے خلاف قتال سے روکنے کے لئے حجت بنانا اور جانتے بوجھتے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے آخری وقت کے موٴقف کو چھپانا، کیا صحابی رسول ﷺ کی عظمت وعصمت کو بٹہ لگانے کے مترادف نہیں۔ اہل علم اس حرکت پر کیا موٴقف اختیار کریں گے؟

ساتواں نظری مسئلہ

کیا کافروں سے دوستی کرنے پر تکفیر صرف اعتقادی منافقین کی ہو گی......؟؟

حافظ صاحب نے اپنی کتاب میں بلاد اسلامیہ پر مسلط طواغیت کا دفاع کرتے ہوئے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کے خلاف یہود و نصاریٰ کی معاونت و نصرت کرنے پر موجودہ حکمرانوں کی تکفیر نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ حافظ صاحب کے بقول جو آیات موجودہ زمانے کے حکمرانوں کی یہود و نصاری کی نصرت کی بناء پر تکفیر کے لئے بطور حجت پیش کی جاتی ہیں، وہ آیات دراصل منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں خصوصاً اعتقادی منافقین کے بارے میں۔ لہٰذا اس کو موجودہ زمانے کے حکمرانوں کی تکفیر کے لئے دلیل بنانا درست نہیں۔ چناچہ وہ سورۃ المائدۃ کی آیت ۵۱ کے ضمن میں لکھتے ہیں :

{”مسلمان حکمرانوں کی تکفیر کی دوسری بڑی بنیاد یہ آیت مبارکہ ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾

”اے اہل ایمان! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان سے دوستی کرے گا تو وہ بھی انہی میں سے ہے“۔

اس آیت مبارکہ سے حکمرانوں کی تکفیر پر ظاہری استدلال کرنا درست نہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس سے اگلی آیت میں یہ بات بالکل واضح طور پر موجود ہے کہ یہ خطاب اعتقادی منافقین سے ہے......اسی طرح اس سے اگلی دو آیات میں بھی منافقین ہی کا تذکرہ ہے“۔}

(صفحہ نمبر:۱۱۱)

پھر اپنے موقف کی دلیل میں امام المفسرین امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کا ایک قول نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

{''اس لئے امام المفسرین امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ آیات منافقین ہی کے بارے میں نازل ہوئی تھیں''} (صفحہ نمبر:۱۱۲)

چناچہ حافظ صاحب امام المفسرین امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے قول کو اس طرح نقل کرتے ہیں:

''غیر أنه لا شك أن الآیة نزلت فی منافق کان یوالی یهوداً أونصاری خوفاًعلی نفسه من دوائر الدهر لان الآیة التی بعده هذه تدل علی ذلك وذلك قوله: ﴿فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ﴾''

''اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ آیت مبارکہ ایسے منافق کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اپنے بارے میں آنے والے زمانے کے حالات کے خوف سے کسی یہودی یا عیسائی کو قلبی دوست بنالیتا تھا۔ اس آیت مبارکہ کے بعد والی آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے اور وہ یہ آیت ہے: ﴿فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ﴾'' (صفحہ نمبر:۱۱۳)

اس کے بعد حافظ صاحب اعتقادی منافق اور عملی منافق کی بحث چھیڑ کر یہ نکتہ اٹھاتے ہیں کہ چونکہ کافروں سے دوستی پر تکفیر صرف اعتقادی منافق کی جاسکتی ہے، عملی منافق پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا(اعتقادی منافق حافظ صاحب کے نزدیک وہ ہوتا ہے جو کہ اسلام کی حقانیت پر یقین نہ رکھے اور کفار کے مذہب کو صحیح سمجھے)۔

اس کے ساتھ وہ یہ نکتہ بھی اٹھاتے ہیں چونکہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد کسی کے بارے میں یہ فتویٰ لگانا ممکن نہیں کہ وہ ''اعتقادی منافق'' ہے۔ لہٰذا آج جو شخص بھی مسلمانوں کے خلاف یہود و نصاریٰ کا ساتھ دے اس کو اعتقادی منافق قرار دیتے ہوئے اس کی تکفیر نہیں کی جاسکتی بلکہ اس کو ہم ''عملی منافق'' قرار دیں گے جس پر بہر حال تکفیر نہیں ہے، سوائے اس کے کہ کوئی (بیوقوف) شخص اپنے بارے میں ''اعتقادی منافق'' ہونے کا کھلم کھلا اعلان (کرنے کی بیوقوفی) نہ کر دے۔

چناچہ حافظ صاحب لکھتے ہیں:

{''قابل غور بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے کے اعتقادی منافقین کے بارے میں تو بذریعہ وحی آپ ﷺ کو علم ہو جاتا تھا، لیکن آج کل کے اعتقادی منافق کے نفاق کے بارے میں علم کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہیں ہے...... کیونکہ آپ ﷺ کے زمانے میں عقیدے کا نفاق بذریعہ آیات قرآنیہ معلوم ہوتا تھا اور آج ہمارے پاس کوئی ایسا آلہ نہیں ہے کہ جس کے ساتھ ہم کسی کے باطن میں جھانک کر یا کسی کا دل چیر کر معلوم کر سکیں کہ اس میں نفاق ہے یا نہیں۔ پس ہمارے حکمرانوں پر عملی منافق کا فتویٰ تو لگے گا کیونکہ ان میں عملی نفاق کی ساری نشانیاں پائی جاتی ہیں لیکن اعتقادی نفاق کا نہیں...... (لہٰذا) کسی کے اعتقادی نفاق کو معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہیں ہے، الا یہ کہ وہ شخص خود بتلائے کہ ''میں اعتقادی منافق ہوں''۔ پس جب حکمران یا عامی اپنے اسلام کا اظہار کر رہا ہے تو اس کو اعتقادی منافق قرار دینا ناممکن، ناقابل فہم اور خلاف نصوص ہے''۔}

(صفحہ نمبر:۱۱۳)

پھر حافظ صاحب نے اپنی کتاب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ جو حاکم یہود نصاریٰ کا مسلمانوں کے خلاف ساتھ دے مگر لیکن ان کے مذہب کو باطل اور اسلام کو حق سمجھتے ہوئے یہ کام کرے تو یہ کام حرام اور ممنوع تو ہے لیکن اس بنیاد پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جاسکتا۔ چناچہ اس کی دلیل میں

وہ اسلاف میں سے صرف ایک دو شاذ آراء ہی کو نقل کرتے ہیں۔ جن میں رازیؒ اور امام ابن عاشور رحمہ اللہ قابل ذکر ہیں۔

اس ضمن میں سب سے پہلا اشکال یہ ہے کہ حافظ صاحبؒ نے سورۃ المائدۃ کی آیت ۵۱ کے تحت امام المفسرین امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کا وہ قول تو نقل کر دیا جس سے اس بات کی وضاحت تو ہو جاتی ہے کہ یہ آیت اور اس سے ملحقہ آیات منافقین کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ لیکن اس بات کی وضاحت نہیں ہوتی کہ امام المفسرین امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اور ان کے علاوہ دیگر مفسرین نے اس آیت کا عام اطلاق کس پر کیا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ حافظ صاحبؒ نے سورۃ المائدۃ کی آیت ۵۱ کے تحت امام المفسرین امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کا جو قول نقل کیا ہے وہ ادھورا ہے! یہ اللہ ہی جانتا ہے کہ حافظ صاحب کو یہ قول ادھورا ہی ملا ہے یا پھر انہوں نے ہیرا پھیری کر کے اس قول کو اپنے نظریئے کے مطابق فٹ کرنے کی ناکام کوشش کی ہے جو کہ آیات ربانی میں "تحریف" کے مترادف ہے، جس پر قرآن میں سخت عذاب کی وعید آئی ہے۔

چناچہ حافظ صاحبؒ نے امام المفسرین امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کا یہ قول تو نقل کر دیا کہ:

{"غير أنه لا شك أن الآية نزلت في منافق كان يوالي يهوداً أونصارى خوفاًعلى نفسه من دوائر الدهر......"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ آیت مبارکہ ایسے منافق کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اپنے بارے میں آنے والے زمانے کے حالات کے خوف سے کسی یہودی یا عیسائی کو قلبی دوست بنالیتا تھا"۔}(صفحہ نمبر:۱۱۲)

لیکن اس قول میں اس سے ملحقہ الفاظ کو نقل نہیں کیا جو کہ تا قیامت اس آیت کے اطلاق سے متعلق تھا:

''فاذ كان ذلك كذلك ، فالصواب أن يحكم لظاهر التر تيل بالعموم على ما عمَّ.......''

''درست بات یہی ہے کہ اس آیت کے حکم کو ''محکم'' اور غیر منسوخ ہی قرار دیا جائے اور اس آیت میں مسلمانوں کو جو عام حکم دیا گیا (کہ جو یہود و نصاریٰ سے دوستی کرے گا وہ انہیں میں سے ہے) اس کو قیامت تک کے لیے عام ہی سمجھا جائے......''(تفسير الطبری:ج۱۰ص۳۹۹، سورۃ المائدۃ)

پس ثابت ہوا کہ مذکورہ آیت اور اس سے ملحقہ آیات نازل تو منافقین کے بارے میں ہوئی تھی لیکن ان کا حکم تا قیام قیامت عام ہے۔ بس جو کوئی بھی مسلمانوں کے خلاف یہود و نصاری کی مدد و نصرت کرے گا وہ مطلقاً کافر و مرتد گردانا جائے گا اور اس کا حکم بھی وہی ہو گا جو کہ ان یہود و نصاریٰ کا ہوتا ہے۔

چناچہ اس حوالے سے امام المفسرین امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ سمیت دیگر قدیم مفسرین کے اقوال کا جائزہ لے لیا جائے تو حقیقت اور بھی کھل کر واضح ہو جائے گی اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ مذکورہ آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''فإنه عنى بذلك: أن بعض اليهود أنصار بعضهم على المؤمنين ، ويد واحدة على جميعهم وأن النصارى كذلك ، بعضهم أنصار بعض على من خالف دينهم وملتهم معرِّفًا بذلك عباده المؤمنين: أنّ من كان لهم أو لبعضهم وليًّا ، فإنماهو وليُّهم على من خالف ملتهم ودينهم من المؤمنين ، كما اليهود و النصارى لهم حَرْب۔ فقال تعالى ذكره للمؤمنين: فكونوا أنتم أيضًا بعضكم أولياء بعض ، ولليهوديّ و النصراني حربًا كما هم لكم حرب ، و بعضهم لبعض أولياء ، لأن من والاهم فقد أظهر لأهل الإيمان الحرب ، و منهم البراءة ، وأبان قطع وَلايتهم.''

''ہمارے نزدیک یوں کہنا زیادہ مناسب اور درست ہے کہ اللہ رب العزت نے تمام مسلمانوں کو منع کیا ہے۔ اس بات سے کہ وہ یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا حمایتی، مددگار اور حلیف بنائیں، ان مومنوں کے خلاف جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے آخری رسول جناب محمد ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے بھی خبردار کیا ہے کہ جو مسلمان اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ کو اور مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا حمایتی، مددگار اور دوست بنائے گا تو اس کے نتیجے میں وہ ان یہودی اور عیسائی کافروں کی جماعت کا ہی فرد گردانا جائے گا۔ گویا یہ شخص اللہ رب العالمین، رسول اللہ ﷺ اور مومنوں کے مدمقابل کافروں کی جماعت کا ایک رکن ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اس سے کلیتاً بیزار اور لاتعلق ہوں گے۔'' (تفسیر الطبری:۶/۲۷۶،۲۷۷)

مشہور مفسر قرآن امام قرطبی رحمہ اللہ سورۃ المائدۃ کی آیت:۵۱ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''قوله تعالى: (و من يتولهم منكم) أى يعضدهم على المسلمين (فإنه منهم) بين تعالى أن حكمه كحكمهم، وهو يمنع إثبات الميراث للمسلم من المرتد، وكان الذى تولاهم ابن أبي ثم هذا الحكم باق إلى يوم القيامة فى قطع الموالاة''۔

''اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ﴾ کا مطلب ہے کہ ''يُعَضِّدُهُمْ عَلَى الْمُسْلِمِيْن'' یعنی جو شخص بھی مسلمانوں کے خلاف کافروں کو قوت، طاقت اور ہر طرح کی (لاجسٹک) مدد فراہم کرتا ہے تو ﴿فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ﴾ وہ انہی میں سے شمار کیا جائے گا۔ گویا اللہ رب العزت نے بڑی وضاحت سے فرمادیا ہے کہ اس کے ساتھ وہی رویہ برتا جائے گا جو ان یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ برتا جائے گا۔ وہ شخص کسی مسلمان کے مال میں وراثت کا حقدار بھی نہیں ٹھہرے گا نہ اس کے مرنے کے بعد اس کا مال مسلمان وارثوں میں تقسیم

ہو گا۔ اس لیے کہ وہ "مرتد" ہو چکا ہے، یہ بھی ذہن نشین رہے کہ یہ حکم تا قیامِ قیامت جاری و ساری ہے۔" (تفسیر القرطبی: ج٦ص٢١٧)

امام قرطبی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں اس آیت کے ضمن میں:

"﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ﴾ شرط وجوابه ، أى لانه قد خالف الله تعالىٰ و رسوله كما خالفوا ، و وجبت معاداته كما وجبت معاداتهم ، و وجبت له النار كما وجبت لهم ، فصار منهم أى من أصحابهم"۔

"فرمان الٰہی ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ﴾ میں شرط بھی ہے اور جواب شرط بھی ہے۔ یعنی اس فرمان ذیشان کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ جس طرح یہودیوں اور عیسائیوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے، اسی طرح اس نام نہاد کلمہ گو مسلمان نے بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی ہے، جس طرح دنیا میں ان یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ دشمنی رکھنا واجب اور فرض ہے۔ اسی طرح اس کلمہ گو مسلمان سے بھی دشمنی رکھنا واجب اور فرض ہے جس طرح آخرت میں وہ یہودی اور عیسائی (یہودیت اور عیسائیت پر مرنے کی صورت میں) لازمی طور پر جہنم کی آگ کے مستحق قرار پائیں گے بالکل اسی طرح یہ کلمہ گو نام نہاد مسلمان بھی جہنم کی آگ کا مستحق قرار پائے گا۔ الغرض وہ اب ان یہودیوں اور عیسائیوں کی سوسائٹی کا ایک فرد بن چکا ہے۔"

(تفسیر القرطبی: ج٦ص٢١٧)

یہ ہے رائے قدیم مفسرین اور فقہاء کی اس شخص کے بارے میں جو مسلمانوں کے خلاف جنگ میں یہود و نصاریٰ کا ہر ممکن طریقے سے ساتھ دیتا ہے۔ چناچہ کسی بھی مفسر نے یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی کرنے والے کو "منافق" قرار نہیں دیا بلکہ سب نے ایسے شخص کو مطلقاً بالاجماع "کافر و مرتد" قرار دیا ہے۔

اب آتے ہیں دوسرے اشکال کی طرف جس میں حافظ صاحب نے یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ یہ آیات چونکہ صرف اعتقادی منافقین سے متعلق نازل ہوئی ہیں اور اعتقادی منافق کا فیصلہ کرنا وحی کے نزول بند ہونے کے بعد اب کسی صورت ممکن نہیں۔ لہٰذا اب حاکم یا عام شخص کو اعتقادی منافق قرار دے کر اس کی تکفیر نہیں کی جاسکتی، صرف اس کو عملی منافق کہا جاسکتا ہے جس پر تکفیر ممکن نہیں، سوائے اس کے کہ وہ شخص خود اعلان کردے کہ میں اعتقادی منافق ہوں۔ جیسا کہ حافظ صاحب کہتے ہیں:

{”الا یہ کہ وہ شخص خود بتلائے کہ میں اعتقادی منافق ہوں“۔} (صفحہ نمبر:۱۱۳)

اللہ علیم و خبیر ہی جانتا ہے کہ حافظ صاحب کونسی افسانوی اور رومانوی دنیا میں زندگی بسر کر رہے جس میں انہوں نے از خود یہ تصور کر رکھا ہے کہ کوئی شخص جو کہ اعتقادی منافق ہو، وہ خود کھلم کھلا اعلان کرے کہ ”میں اعتقادی منافق ہوں“۔ کوئی بے وقوف ہی شخص یہ توقع رکھے گا کہ ایسا شخص آکر خود اعلان کرے، سوائے اس کے کہ اعتقادی منافق خود ہی پلے درجے کا بیوقوف ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ منافقین کو قرآن کریم نے ”السفھآء“ یعنی بے وقوف، کے لقب سے نوازا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کے پورے دور میں کسی شخص نے یہ اعلان از خود نہیں کیا کہ وہ اعتقادی منافق ہے۔

لیکن حافظ صاحب کے بقول مسلمانوں کے خلاف یہود و نصاریٰ کا ساتھ دینے پر صرف اعتقادی منافق کی ہی تکفیر کی جاسکتی ہے اور چونکہ اب یہ تکفیر ممکن نہیں لہٰذا اب ایسے شخص کے خلاف صرف عملی نفاق کا فتویٰ لگے گا جس پر تکفیر ممکن نہیں۔ لہٰذا جو شخص بھی چاہے جتنا مسلمانوں کے خلاف یہود و نصاری کی مدد و نصرت کرتا رہے، مسلمانوں کو پکڑ پکڑ یہود و نصاریٰ کے حوالے کرتا رہے، ہزاروں مسلمانوں کو خاک و خون میں نہلا دے اور ہزاروں مسلمان ماؤں بہنوں کی یہود و نصاریٰ کے ہاتھوں دلّالی کرے، اس کے ایمان پر کوئی فرق نہیں پڑے گا اور وہ بہر حال مسلمان ہی قرار پائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسی سوچ دراصل مرجئہ سوچ کی عکاسی کرتی ہے جو کہ فی زمانہ اس قدر عام ہو چکا ہے کہ جس کے فتنے سے خاص و عام میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں۔ اب یہ سوال خود بخود بعض لوگوں کے ذہن میں پیدا ہوا ہوگا کہ یہ ”مرجئہ“ کون ہیں اور ان کا عقیدہ کیا ہے؟ اس کی وضاحت یہ

ہے کہ جس طرح خوارج نے افعالِ معصیت پر جن سے بہر حال گناہ اور فسق ہی لازم آتا ہے، لوگوں کو کافر قرار دینا شروع کر دیا تھا۔ جبکہ "مرجئہ" دوسری انتہا کو گئے کہ انہوں نے یہ کہا کہ ایک شخص نے اگر کلمہ کا اقرار کر لیا تو اس کے بعد چاہے وہ کتنا ہی صریح افعالِ کفر و شرک کا ارتکاب کرتا رہے، بس دل میں اس کو صحیح نہ سمجھے اور زبان سے اس کو حلال کہنے کی بھی حماقت نہ کرے، تو وہ مسلمان اور موحد ہی گنا جائے گا، یعنی کفر اور شرک کے افعال بھی عام گناہوں کی طرح ایک گناہ ہیں اور محض ان کے عملی ارتکاب سے کوئی شخص دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو سکتا۔

اصولی طور پر یہ دونوں گمراہیاں اس مسئلہ پر آن کر ایک ہو جاتی ہیں کہ "کفریہ اعمال" اور "عام گناہوں" میں کوئی فرق نہیں! جبکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک ان میں واضح فرق ہے، جن افعال کو شریعت نے صرف "گناہ" اور "فسق" کہا ہے ان پر ارتکاب سے آدمی "فاسق" ہی ہو گا اور جن افعال کو اللہ اور رسول اللہ ﷺ صریح کفر یا شرک کہیں، ان پر اصرار کرنے سے وہ "کافر" اور "مشرک" ٹھہرتا ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ مرجئہ کے ان عقائد کے نتائج سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"انہوں نے ہر فاسق اور ڈاکو کو تباہ کن گناہوں پر جری کر دیا۔ ہم اس خذلان سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔"

امام سفیان الثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مرجئہ نے اسلام کو باریک کپڑے سے بھی زیادہ رکیک بنا دیا"۔

قاضی شریک رحمہ اللہ مرجئہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں :

"وہ (مرجئہ) خبیث ترین لوگ ہیں حالانکہ خباثت میں رافضہ کافی ہیں لیکن مرجئہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں"۔

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ:

"ازارقہ کے فتنہ سے زیادہ مرجئہ کا فتنہ اس امت کیلئے خطرناک ہے"۔

(کتاب السنة عبداللہ بن احمد ۱/۳۱۳)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے نضر بن شمیل رحمہ اللہ کا کیا ہی خوبصورت قول نقل کیا ہے:

"یہ وہ دین ہے جو بادشاہوں کو پسند ہو۔ وہ اس کے ذریعے دنیا کماتے ہیں اور اپنے دین کو ناکارہ کر دیتے ہیں"۔

چناچہ حدیث میں آتا ہے:

((وعن انس بن مالك قال قال رسول الله ﷺ صنفان من امتی لا یردان علی الحوض ولا یدخلان الجنة ، القدریة والمرجئة))

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے دو گروہ حوضِ کوثر پر نہ آسکیں گے اور نہ جنت میں داخل ہو سکیں گے ، قدریہ اور مرجئہ"۔

(الطبرانی فی الاوسط رجاله رجال هرون بن موسی الفروی وهو ثقة ، مجمع الزوائدج:۷ص:۲۰۷)

اصل میں معاملہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اور اس کے بعد سلف صالحین نے ہمیشہ اپنے فتاویٰ میں کسی بھی شخص کے افعال و اقوال پر اس کے مسلمان ہونے کی شہادت دی یا پھر اس کے کفر و ارتداد کا فتویٰ جاری کیا لیکن کسی پر "منافق" ہونے کا فتویٰ جاری نہیں کیا۔

چناچہ رسول اللہ ﷺ کے رحلت فرماجانے کے بعد اب کسی شخص کے متعلق یہ فتویٰ لگانا ناممکن ہے کہ وہ "منافق" ہے۔ تو شرعی قاعدہ یہ ہے کہ اب لوگوں کے ظاہری اعمال پر فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر

ان کے افعال و اقوال مسلمانوں والے ہوں گے تو ان کو مسلمان سمجھا جائے گا اور اگر ان کے اقوال و افعال کفر و ارتداد پر مبنی ہوں گے تو ان کا فر و مرتد سمجھا جائے گا۔

اس بات کی وضاحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے جس میں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((وعن عبد اللّٰه بن عتبه بن مسعود قال:سمعت عمر بن الخطاب رضي الله عنه يقول: ان ناساً كانوا يؤخذون بالوحي في عهد رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم ، وان الوحي قدانطقع ، وانما نأخذكم الأن بما ظهر لنا من اعمالكم ، فمن اظهرلنا خيراً امناه و قربناه ، وليس لنا من سريرته شيئ ، اللّٰه يحاسبه في سريرته ، ومن اظهرلنا سوء ، لم نأمنه ، ولم نصدقه وان قال:سريرتهٔ حسنة))

"حضرت عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں لوگوں کا مواخذہ وحی کے ذریعے ہو جاتا تھا لیکن اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا اب تو ہم ظاہری اعمال پر مواخذہ کریں گے۔ جس آدمی کے ہمارے سامنے اچھے اعمال ظاہر ہوں گے تو ہم اس کو امن دیں گے اور اپنے قریب کریں گے اور ہمیں اس کے پوشیدہ اعمال سے کچھ واسطہ نہیں۔ اس کے پوشیدہ اعمال کا محاسبہ اس سے اللہ کرے گا اور جو شخص ہمارے سامنے ظاہراً برے اعمال کرے گا تو ہم اسے نہ امن دیں گے اور نہ اس کی بات مانیں گے اگرچہ وہ کہے کہ اس کی باطنی کیفیت اچھی ہے"۔

(صحيح البخاری ، ج:۹ص:۱۱۸رقم:۲۴۴۷۔کنزالعمال ، ج:۵ص:۶۸۵رقم۱۴۱۸۹)

آخری بات اس ضمن میں یہ ہے کہ حافظ صاحب نے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی کہ جو شخص مسلمانوں کے خلاف یہود و نصاریٰ کا ساتھ دے لیکن وہ ان کے دین کو باطل سمجھتا ہو تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور بہر صورت مسلمان ٹھہرے گا۔ اس سلسلے میں حافظ صاحب نے محکم اور

جمہور علماء کی رائے کو چھوڑ کر بعض شاذ آراء کو اختیار کرکے آج کے حکمرانوں کو مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ بانٹنے کی کوشش کی ہے جن کے کفر وارتداد پر ہونے میں آج کوئی شک ہی باقی نہیں رہ گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص چاہے کتنا بھی مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے اور کتنا ہی یہ دعویٰ کرے کہ وہ یہود و نصاریٰ کے مذہب کو صحیح نہیں سمجھتا لیکن وہ بالفعل یہود و نصاریٰ کے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر مسلمانوں کے خلاف صف آراء ہو جائے، ان کے ساتھ ہر قسم کی معاونت کرے تو ایسے شخص کے بارے سلف صالحین کا اجماع ہے کہ وہ شخص شہادتین کے اقرار کے باوجود کافر و مرتد قرار پائے گا۔ اس کا مال و جان لینا مسلمانوں کے لئے حلال ٹھہرے گا۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر چند مسلمان جو کہ مشرکین کے مذہب سے نفرت کے باوجود مشرکین کی صف میں کھڑے ہو کر مسلمانوں کے خلاف صف آراء ہوئے اور مسلمانوں کے تیروں کا نشانہ بنے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس پر کسی افسوس کا اظہار نہیں کیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسے لوگوں کے بارے شدید وعید نازل فرمائی۔

چنانچہ اب ہم سلف صالحین کے کثیر فتاویٰ میں سے کچھ نقل کریں گے جن میں یہ بات بہت واضح انداز میں بیان کی گئی ہے کہ کوئی شخص چاہے وہ یہود نصاریٰ کے مذہب بر حق نہ ہونے کا اعلان کرے مگر وہ یہود و نصاری کے ساتھ مل کر صف آراء ہو جائے وہ کافر اور مرتد ہے۔

کافروں سے دوستی کرنے والے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے والوں کے بارے میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَإِذَا كَانَ السَّلَفُ قَدْ سَمُّوْا مَانِعِيْ الزَّكَاةِ مُرْتَدِيْنَ مَعَ كَوْنِهِمْ يَصُوْمُوْنَ وَ يُصَلُّوْنَ ، وَلَمْ يَكُوْنُوْا يُقَاتِلُوا جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ ، فَكَيْفَ بِمَنْ صَارَ مَعَ أَعْدَاءِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ قَاتِلًا لِلْمُسْلِمِيْنَ۔“

”سلف صالحین، ائمہ و محدثین صحابہ و تابعین نے (اپنی اپنی تصانیف اور توضیحات میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں) زکوٰۃ نہ دینے والوں کو مرتد قرار دیا ہے۔

حالانکہ وہ روزے رکھتے تھے۔ نمازیں بھی پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما (برسرپیکار) بھی نہیں ہوتے تھے۔ جب اسلاف امت کے ہاں وہ مرتد تھے تو جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کے دشمنوں کا پورا پورا ساتھ دیتے ہیں اور کافروں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کرتے ہیں (خود غور کر لیجیے کہ متأخر الذکر لوگوں کے بارے میں سلف صالحین کا فتویٰ کیا ہو سکتا ہے؟)“ (مجموع الفتاوی: ۲۸/۵۳۰، ۵۳۱)

شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کے پوتے سلیمان بن عبد اللہ فرماتے ہیں:

”اِعْلَمْ رَحِمَكَ اللّٰهُ أَنَّ الْاِنْسَانَ اَذَا أَظْهَرَ لِلْمُشْرِكِيْنَ الْمُوَافِقَةَ عَلٰى دِيْنِهِمْ خَوْفًا مِّنْهُمْ وَ مُدَارَةً لَّهُمْ وَ مُدَاهَنَةً لِدُفِعَ شَرِّهِمْ فَاِنَّهُ كَافِرٌ مِّثْلُهُمْ وَاِنْ كَانَ يَكْرَهُ دِيْنَهُمْ وَيُبْغِضُهُمْ وَيُحِبَّ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَ هٰذَا اِذَا لَمْ يَقَعْ مِنْهُ اِلَّا ذَلِكَ، فَكَيْفَ اِذَا كَانَ فِيْ دَارٍ مَنَعْةٍ وَ اسْتَدعٰى بِهِمْ وَ دَخَلَ فِي طَاعَتِهِمْ وَ أَظْهَرَ الْمُوَافَقَةَ عَلٰى دِيْنِهِمُ الْبَاطِلَ وَأَعَانَهُمْ عَلَيْهِ بِالنَّصْرَةِ وَالْمَالِ وَ وَالَاهُمْ وَ قَطَعَ الْمُوَالَاةَ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ“

”خوب جان لیجیے! کوئی بھی انسان جب مشرکین کے ساتھ اپنی موافقت اور یکجہتی کا اظہار کرتا ہے۔ خواہ ان سے ڈرتے ہوئے ایسا کرے یا ان سے بنا کر رکھنے کی خاطر ایسا کرے یا ان کے کسی شر سے بچنے کے لیے بچھ جانے کی وجہ سے ایسا کرے بہرحال وہ شخص ان مشرکوں کی طرح کا ہی مشرک و کافر ہو گا۔ اگرچہ یہ شخص ان کافروں اور مشرکوں کے دین کو ناپسند ہی کرتا ہو اور ان سے نفرت کرتا ہو اور مسلمانوں اور اسلام سے محبت کا دعویٰ رکھتا ہو، بہرحال وہ کافر و مشرک قرار پائے گا۔ اب ذرا ٹھنڈے دل سے غور فرمالیجیے کہ اگر کوئی شخص شان و شوکت والا ہو اور فوجی قوت و طاقت بھی اس کے پاس ہو۔ پھر بھی وہ کافروں کا ساتھ دے، ان کی اطاعت میں داخل ہو، ان کے باطل دین و مذہب پر ان کی موافقت کرتے ہوئے، ہر طرح کی سپورٹ مہیا کرتے ہوئے اور مالی وسائل بروئے کار

لاتے ہوئے ان کا تعاون کرے اور ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرے۔ اپنے اور مسلمانوں کے درمیان نفرت کی دیواریں کھڑی کرلے (تو اس کا حکم کیا ہوگا)''۔

فضیلۃ الشیخ حمد بن عتیق رحمہ اللہ مزید وضاحت فرماتے ہیں:

''أَنْ يُوَافِقَهُمْ أَي الْكُفَّارَ فِي الظَّاهِرِ مَعَ مُخَالَفَتِهِ لَهُمْ فِي الْبَاطِنِ ، وَهُوَ لَيْسَ فِي سُلْطَانِهِمْ وَإِنَّمَا حَمَلَهُ عَلَى ذَالِكَ إِمَّا طَمَعٌ فِي رَيَاسَةٍ أَوْ مَالٍ أَوْ مَشَحَّةٍ بِوَطَنٍ أَوْ عِيَالٍ ، أَوْ خَوْفٌ مِمَّا يَحْدُثُ فِي الْمَآلِ ، فَإِنَّهُ فِي هٰذِهِ الْحَالِ يَكُوْنُ مُرْتَدًّا وَ لَا تَنْفَعُهُ كَرَاهَتُهُ لَهُمْ فِي الْبَاطِنِ ، وَهُوَ مِمَّنْ قَالَ اللّٰهُ فِيْهِمْ ﴿ذٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَأَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾''

''کوئی شخص کافروں سے اگر اوپر اوپر سے ہی موافقت کا اظہار کرتا ہو اور ہاں میں ہاں ملاتا ہو۔ جبکہ اس کا دل، ضمیر اور اندرون کافروں کی مخالفت میں ہی ہو۔ حالانکہ وہ شخص کافروں کے تسلط اور کنٹرول میں بھی نہیں ہے کہ صرف جبر و استبداد کی بناء پر اس نے ایسا کیا ہو، بلکہ کسی حکومتی اور ریاستی لالچ، یا کسی مالی مفاد، یا وطن اور اہل و عیال کی محبت و جذبات سے بے بس ہو کر، یا آنے والے حوادث اور خطرات سے خوف کھاتے ہوئے اس نے کافروں سے یکجہتی اور ہم آہنگی کا اظہار کیا ہو، بہر حال و بہر صورت ایسا شخص مرتد ہوگا۔ دل اور ضمیر سے ان کو ناپسند کرنے کا کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوگا۔ یہ شخص ان لوگوں میں شامل ہوگا جن کے بارے میں اللہ ذوالجلال والاکرام نے سورۃ النحل کی آیت:۱۰۷ میں تذکرہ فرمایا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ''یہ اس لیے کہ انھوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت سے زیادہ محبوب رکھا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو راہِ راست نہیں دکھاتا۔''

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ''الاِخْتِيَارَاتُ الفِقهِيَّة'' میں مسلمانوں کے خلاف صف آراء دشمن کے پاس جانے پر ہی ایسے شخص پر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں:

''من جَمَّزَ إِلٰى مُعَسْكَرِ التُّتَرِ وَ لَحِقَ بِهِمْ ارْتَدَّ وَ حَلَّ دَمُهُ وَ مَالُهُ ، فَإِذَا كَانَ هٰذَا فِي مُجَرَّدِ اللُّحُوْقِ بِالْمُشْرِكِيْنَ فَكَيْفَ بِمَنْ اعْتَقَدَ مَعَ ذَالِكَ أَنَّ جِهَادَهُمْ وَ قِتَالَهُمْ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ دِيْنٌ يُدَانُ بِهٖ ، هٰذَا أَوْلٰى بِالْكُفْرِ وَالرِّدَّةِ۔''

''جو شخص تاتاریوں کے معسکر (چھاؤنی) کی طرف بھاگا بھاگا جاتا ہے اور ان سے جاملتا ہے، وہ شخص مرتد ہو جاتا ہے اور اس کا خون بہانا اور اس کا مال اپنے قبضہ میں لینا جائز ہے۔ مشرکین کے ساتھ صرف جاملنے کا یہ حکم ہے کہ وہ مرتد ہو جاتا ہے اور اس کو قتل کرنا اور اس کا مال قبضہ میں لینا جائز ہے۔ تو اس شخص کے متعلق خود غور فرمالیں کہ جو اس بات کا اعتقاد اور نظریہ رکھتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف جنگ و قتال کرنا میرے دین و مذہب میں شامل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ثانی الذکر شخص کفر و ارتداد میں کہیں زیادہ آگے بڑھا ہوا ہے''۔(الدرر السنية: ۷/۳۳۴)

دلیل قاطع کے طور پر رسول اللہ ﷺ کے وہ الفاظ ہی کافی ہیں جو کہ انہوں نے غزوۂ بدر میں گرفتار ہو کر آنے والے اپنے چچا کو کہے تھے جبکہ وہ آپ ﷺ کو اپنے مسلمان ہونے کا یقین دلا رہے تھے۔ آپ ﷺ فرمایا:

((أَمَّا ظَاهِرُكَ فَكَانَ عَلَيْنَا وَ أَمَّا سَرِيْرَتُكَ فَإِلَى اللهِ))

''آپ کی ظاہری حالت تو ہمارے خلاف ہی نظر آتی ہے۔ جہاں تک آپ کا پوشیدہ یعنی دل کا معاملہ ہے وہ اللہ کے سپرد ہے۔'' (مجموع الفتاوى لابن تيمية: ۲۲۵، ۱۹/۲۲۴)

ایک اور روایت میں الفاظ اس طرح ہیں:

((اَللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا تَقُوْلُ إِنْ كُنْتَ مَا تَقُوْلُ حَقًّا إِنَّ اللهَ يُجْزِيْكَ وَلٰكِنْ ظَاهِرُ أَمْرِكَ أَنَّكَ كُنْتَ عَلَيْنَا))

''جو بات آپ کہہ رہے ہیں اس کے بارے میں اصل حقیقت سے اللہ تعالیٰ ہی آگاہ ہے ۔اگر تو وہ بالکل سچ ہے جو آپ کہہ رہے ہیں تو فدیہ ادا کرنے پر اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی بہتر

جزا دے گا۔ لیکن جہاں تک آپ کے ظاہری معاملہ کا تعلق ہے تو یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آپ ہمارے خلاف برسرپیکار تھے۔''

(فتح الباری لابن حجرؒ، ج:۱۱، ص:۳۴۷، رقم:۱۴۳۷)

پس اہلسنت والجماعت کے نزدیک جس گناہ کو شریعت نے مطلق طور پر صریح کفر قرار دیا ہے تو اس کے مرتکب کو کافر ہی تصور کیا جائے گا چاہے اس فعل کا مرتکب اپنی باطنی کیفیت کے بارے میں کتنی ہی صفائی پیش کرتا رہے۔

آٹھواں نظری مسئلہ

کیا ڈر اور خوف کی بناء پر یہود و نصاریٰ کا بھر پور ساتھ دینے والی کی تکفیر نہیں کی جاسکتی......؟؟

حافظ صاحب نے اولاً اپنی کتاب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں جو منافقین تھے وہ یہود و نصاریٰ کے دین و ملت کو غلط نہیں سمجھتے تھے اور ان کو دین اسلام کی حقانیت پر یقین نہیں تھا اور وہ ساتھ میں یہود و نصاریٰ سے دوستی بھی کرتے تھے۔ لہٰذا حافظ صاحب نے اس فعل کو اعتقادی نفاق کا نام دیا ہے۔ جس پر ایک شخص کی تکفیر جائز ہے۔ چناچہ حافظ صاحب لکھتے ہیں:

{”حکمران اعتقادی منافق ہوں یعنی وہ یہود و نصاریٰ کے مذہب کو باطل نہیں سمجھتے یا اپنے مذہب کی حقانیت کا انہیں یقین نہیں ہے اور پھر بھی یہود و نصاریٰ سے دوستی لگاتے ہیں تو ان کی تکفیر جائز ہے“۔}

پھر حافظ صاحب موجودہ حکمرانوں کے بارے میں تکفیر سے موانع میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ وہ اعتقادی منافق نہیں بلکہ ان کا معاملہ رسول اللہ ﷺ کے دور کے منافقین سے ہٹ کر ہے۔ آج کے حکمران یہود و نصاریٰ کے ڈر، آسائشات کے چھوٹ جانے اور موت کے خوف کی بناء پر ان کا ساتھ دیتے ہیں جو کہ عملی نفاق ہو سکتا ہے جو کہ قابل تکفیر نہیں۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

{”دوسری بات یہ ہے کہ مسلمان ممالک کے حکمرانوں کی اکثریت یہود و نصاریٰ سے دوستیاں اس وجہ سے کرتی ہے کہ وہ ان سے ڈرتے ہیں۔ یعنی یہود و نصاریٰ کی ٹیکنالوجی کا ڈر، آسائش پسندی، کاہلی و سستی، موت کا خوف اور دنیا و مال کی محبت وغیرہ ایسے امور ہیں جن کی وجہ سے مسلمان حکمران یہود و نصاریٰ سے دوستی کرتے ہیں۔ پس اس صورت میں

یہ حکمران فاسق و فاجر اور عملی منافق تو قرار پائیں گے لیکن ایسے کافر نہیں کہ جس کی وجہ سے وہ ملت اسلامیہ سے خارج ہوں"۔}(صفحہ نمبر:۱۱۴)

سوال یہ ہے کہ کیا واقعی اس معاملے میں کسی شخص کی تکفیر صرف اس بنیاد پر نہیں کی جاسکتی کہ وہ ڈر وخوف، دنیا کی محبت اور موت سے ڈرنے کی وجہ سے یہود و نصاری کا ساتھ دے رہا جب تک کہ یہ بات ثابت نہ ہو جائے کہ وہ یہود و نصاری کے مذہب کو حق سمجھتا ہے، یا معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور کے منافقین کی اکثریت کا معاملہ یہ تھا کہ وہ حافظ صاحب کی تعریف کے مطابق اعتقادی منافق نہ تھے کہ وہ یہود و نصاری کے مذہب کو حق سمجھتے تھے یا محمد ﷺ کو جھوٹا سمجھتے تھے، بلکہ وہ تو زمانے کی گردش سے ڈرنے کی بناء پر مسلمانوں کے خلاف یہود و نصاریٰ کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوئے۔ چناچہ اسی امر کی وضاحت کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

''قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ﴾ فَيُوَافِقْهُمْ وَ يُعِينُهُمْ ﴿فَإِنَّهٗ مِنْهُمْ﴾ وَقَالَ أَيْضًا فِي تَفْسِيرِ هٰذِهِ الْآيَةِ: وَالْمُفَسِّرُوْنَ مُتَّفِقُوْنَ عَلٰى أَنَّهَا نَزَلَتْ بِسَبَبِ قَوْمٍ مِمَّنْ كَانَ يُظْهِرُ الْإِسْلَامَ وَ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ خَافَ أَنْ يَغْلِبَ أَهْلُ الإِسْلَامِ فَيُوَالِي الْكُفَّارَ مِنَ الْيَهُودِ وَ النَّصَارٰى وَ غَيْرِهِمْ لِلْخَوفِ الَّذِيْ فِيْ قُلُوْبِهِمْ لَا لِاعْتِقَادِهِمْ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاذِبٌ وَأَنَّ الْيَهُودَ وَ النَّصَارٰى صَادِقُوْنَ''

''اللہ تعالیٰ کے زیر تفسیر فرمان ﴿وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ﴾ کا معنی ہے کہ ''فَيُوَافِقْهُمْ وَ يُعِينُهُم'' یعنی جو یہودیوں اور عیسائیوں کی موافقت کرتا ہے اور ان کی مدد اور تعاون کرتا ہے تو ﴿فَإِنَّهٗ مِنْهُمْ﴾ وہ ان میں سے ہی شمار ہوگا۔'' تمام مفسرین کرام اس بات پر متفق و متحد ہیں کہ مذکورہ بالا آیت کا شانِ نزول ایک ایسی قوم کے افراد سے متعلق ہے جو بظاہر

اسلام کا دعوٰی اور اظہار کرتے تھے مگر ان کے دلوں میں یہ خوف جاگزیں تھا کہ اگر بالفرض اہل اسلام کافروں کے ہاتھوں شکست کھا گئے تو پھر ہمارا کیا بنے گا، ہم کدھر جائیں گے۔ بس اس خوف سے ہی وہ کلمہ پڑھنے کے باجوود یہودیوں، عیسائیوں اور دیگر کافروں کے ساتھ بنا کر رکھتے تھے۔ ان کے دوستانہ تعلقات کی بنیاد فقط وہ خوف تھا جو ان کے دل و دماغ پر بُری طرح سوار تھا۔ کافروں سے دوستیاں کرنے والے اور ان سے بنا کر رکھنے والوں کے دلوں میں یہ اعتقاد و نظریہ بالکل نہ تھا کہ محمد ﷺ جھوٹے پیغمبر ہیں اور یہود و نصارٰی سچے ہیں۔'' (مجموع الفتاوی: ۱۹۴، ۱۹۳/۷)

اور جیسا کہ امام المفسرین امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کا یہ قول پہلے نقل ہو چکا ہے کہ:

''غير أنه لا شك أن الآية نزلت في منافق كان يوالي يهوداً أو نصارى خوفاً على نفسه من دوائر الدهر...''

''اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ آیت مبارکہ ایسے منافق کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اپنے بارے میں آنے والے زمانے کے حالات کے خوف سے کسی یہودی یا عیسائی کو قلبی دوست بنالیتا تھا''۔

بس موجودہ زمانے کے حکمرانوں کی ولایت کو ہر ممکن طریقے سے سند جواز عنایت کرنے کے لئے یہ دلیل گڑھنا، کہ وہ ڈر و خوف کی بنیاد پر یہود و نصارٰی کا ساتھ دے رہیں لہٰذا ان کی تکفیر نہیں کی جاسکتی، شرعی اعتبار سے باطل اور مردود دلیل ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں۔ شریعت میں یہ بات واضح ہے کہ جو شخص بھی صرف زبانی اظہار کے علاوہ کسی بھی طور پر یہود و نصارٰی کا ساتھ دیتا ہے چاہے وہ خوف کی بناء پر ہو، وہ شرعی اعتبار سے دائرہ اسلام سے خارج اور کافر و مرتد قرار پائے گا۔ جیسا کہ فضیلۃ الشیخ سلیمان بن عبداللہ (آل شیخ) ارشاد فرماتے ہیں:

''نَهٰى سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى عَنِ اتِّخَاذِ الْيَهُوْدِ وَ النَّصَارٰى أَوْلِيَاءَ ، وَاَخْبَرَ أَنَّ مَنْ تَوَلَّاهُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَهُوَ مِنْهُمْ -- وَ هٰكَذَا حُكْمُ مَنْ تَوَلَّى الْكُفَّارَ مِنَ الْمَجُوْسِ وَ عُبَّادِ

الْأَوْثَانِ فَهُوَ مِنْهُمْ ...... إِلٰى قَوْلِهٖ رحمه الله: وَلَمْ يُفَرِّقْ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى بَيْنَ الْخَائِفِ وَغَيْرِهٖ بَلْ أَخْبَرَ تَعَالٰى أَنَّ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ يَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ خَوْفَ الدَّوَائِرِ، وَهٰكَذَا هٰؤُلَاءِ الْمُرْتَدِّيْنَ"

"اللہ رب العزت نے یہود و نصاریٰ کو دوست بنانے سے منع فرمایا ہے اور خبر دار کیا ہے کہ مسلمانو! یاد رکھو جو تم میں سے ان کو دوست اور حمایتی بنائے گا پھر وہ ان ہی میں شمار ہو گا، وہی معاملہ اس شخص کا بھی ہو گا اور جو یہود و نصاریٰ کے علاوہ کسی آگ پوجنے والے (زرتشت) کو دوست بنائے گا یا کسی بتوں کے پجاری (ہندومت یا بدھ مت) کو دوست بنائے گا تو وہ ان مذہب والوں میں ہی شمار ہو گا۔" (شیخ سلیمان بن عبداللہ رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے دونوں کو ایک پلڑے میں ڈالتے ہوئے یہ فرق بھی بیان نہیں کیا کہ اگر بالفرض کوئی شخص ان کافروں سے کوئی خطرہ اور خوف محسوس کرتا ہو تو پھر ان سے دوستی کرنا جائز اور درست ہے، بلکہ واضح الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خوف و خطرہ محسوس کرنے کے معاملے کو ان کے دلوں کی بیماری کہا ہے۔یہی وجہ ہے کہ سورۃ المائدۃ کی آیت:۵۲ میں یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ کافروں کے کسی نہ کسی شر کے خوف اور گردش زمانہ کے ڈر سے ان کے ساتھ دوستیاں کرتے ہیں۔ اگر یہ غور کر لیا جائے تو آج کے دور کے مرتدین کا بھی بالکل یہی حال اور یہی معاملہ ہے۔" (الرسالة الحادية عشرة من مجموعة التوحيد:٣٣٨)

بس شریعت سے نابلد شخص ہی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ یہود و نصاریٰ سے ڈر اور خوف کی بنیاد پر دوستی کرنے والا اور ان کی بھرپور مدد و نصرت کرنے والا مرتد نہیں ٹھہرے گا اور اس کی تکفیر نہیں کی جاسکتی......!!

☆☆☆☆☆

نواں نظری مسئلہ

کیا درج ذیل آیات حربی کفار سے دوستی رکھنے والوں کو کافر قرار نہیں دیتیں......؟؟

حافظ صاحب نے قرآن کریم کی درج ذیل ۱۰ آیات نقل کی:

{(۱) آل عمران:۱۱۸ (۲) النسآء:۱۴۴

(۳) المائدۃ:۵۷ (۴) الممتحنۃ:۱

(۵) التوبۃ:۲۳ ۶) المجادلۃ:۲۲

(۷) الممتحنۃ:۸۔۹ (۸) الممتحنۃ:۱۳

(۹) الممتحنۃ:۴ (۱۰) المائدۃ:۵۱

پھر ان آیات کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

”مذکورہ بالا آیات میں سے کوئی ایک بھی ایسی نہیں ہے جو حربی کفار کے ساتھ دوستی رکھنے والے مسلمانوں کو کافر قرار دیتی ہے بلکہ ان آیات سے یہی واضح ہوتا ہے کہ ایسے فعل کے مرتکب مسلمان گمراہ، ایک حرام فعل کے مرتکب اور ظالم ہیں“}(صفحہ نمبر:۱۲۸)

حافظ صاحب کے اس قول میں کتنی صداقت ہے اس کا اندازہ ہمیں قدیم مفسرین کے اقوال سے بخوبی ہو جائے گا۔ طوالت کے خوف سے ہم صرف چند آیات کی مختصر تفسیر نقل کر دیتے ہیں، جن کے بارے میں حافظ صاحب کا خیال ہے کہ یہ آیات حربی کافر کے ساتھ دوستی کرنے پر کافر نہیں قرار دیتیں بلکہ ظالم اور گمراہ قرار دیتی ہے۔

سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۴۴ کے ضمن میں امام المفسرین امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وهذا نهى من الله عباده المؤمنين ان يتخلقوا بأخلاق المنافقين ، الذين يتخذون الكافرين أولياء من دون المؤمنين ، فيكونوا مثلهم في ركوب ما نهاهم عنه من موالا أعدائه''۔

''اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے مومن بندوں کو ممانعت کی جارہی ہے کہ وہ اپنے اندر منافقین کے اوصاف و اخلاق پیدا نہ کریں۔ کیونکہ منافق مومنوں کی بجائے کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں۔ پھر منافق بھی اللہ کے دشمنوں کے ساتھ دوستیاں رچانے کی بنیاد پر ان کافروں کی طرح ہی ہو جاتے ہیں''۔(تفسیر الطبری:ج۹، ص۳۳۶)

سورالتوبۃ کی آیت ۲۳ کے ضمن میں فضیلۃ الشیخ سلیمان بن عبد اللہ (آل شیخ) رحمہ اللہ مذکورہ بالا آیت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

''فَفِي هٰذِهِ الْآيَةِ الْبَيَانُ الْوَاضِحُ أَنَّهُ لَا عُذْرَ لِأَحَدٍ فِي الْمُوافَقَةِ عَلَى الْكُفْرِ خَوْفًا عَلَى الْأَمْوَالِ وَالْآبَاءِ وَالْأَبْنَاءِ وَ الْأَزْوَاجِ۔ مِمَّا يَعْتَذِرُ بِهِ كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ إِذَا لَمْ يُرَخص لِأَحَدٍ فِي مُوَدَّتِهِمْ وَ اتِّخَاذِهِمْ أَوْلِيَاءَ خَوْفًا مِنْهُمْ وَ إِيْثَارًا لِمَرْضَاتِهِمْ ، فَكَيْفَ بِمَنِ اتَّخَذَ الْأَبَاعِدَ أَوْلِيَاءَ وَ أَصْحَابَ وَأَظْهَرَ لَهُمُ الْمُوَافِقَةَ عَلٰى دِيْنِهِمْ خَوْفًا عَلٰى بَعْضِ هٰذِهِ الْأُمُوْرِ وَ مَحَبَّةٍ لَهَا ، وَمِنَ الْعَجَبِ اِسْتِحْسَانُهُمْ لِذٰلِكَ وَاسْتِحلَالُهُمْ لَهُ فَجَمَعُوْا مَعَ الرِّدَّةِ اسْتِحْلَالَ الْمُحَرَّمِ ''

''اس آیت کریمہ میں اس بات کا واضح بیان موجود ہے کہ کسی بھی فرد و بشر کے لیے جائز و مباح نہیں ہے کہ وہ کافروں کی موافقت اور مطابقت اختیار کرے۔ کسی شخص کو اگرچہ اپنے مال و دولت، آباء اجداد اور اہل و عیال کے ضائع ہونے اور بچھڑ جانے کا اندیشہ بھی دامن گیر ہو تو پھر بھی کافروں کی ہاں میں ہاں ملانا جائز نہیں۔ باوجود اس حقیقت کے کہ ان معاملات میں انسانوں کی اکثریت بے بس اور معذور ہو جاتی ہے۔ جب اللہ رب العزت نے ان جیسے قریبی رشتہ داروں سے ان کے کافر ہونے کی صورت میں محبت و دوستی کرنے کی

رخصت و اجازت مرحمت نہیں فرمائی۔ اپنے ان کافر قریبی اور نسبی اعزہ و اقارب کی خوشنودی اور رضاء کو اللہ کی رضاء اور خوشنودی پر فوقیت دینے کی اجازت نہیں دی۔ تو دور دور کے تعلقات اور مراسم والوں کو دوست اور ساتھی بنانے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے؟ دور دور کے رشتہ داروں اور تعلق داروں میں سے بعض کے کھو جانے اور بچھڑ جانے کے خوف کی وجہ سے ان کے کفریہ عقائد و نظریات کے ساتھ موافقت اور محبت کس طرح جائز ہو سکتی ہے؟ انتہائی تعجب انگیز اور حیران کن معاملہ ان لوگوں کا ہے جو ان کافروں کے ساتھ دوستی کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے پروگراموں، کاروائیوں، ایجنڈوں کے لیے جائز اور حلال ہونے کی سند بھی عطا کر دیتے ہیں۔ اس طرح گویا دہرے جرم کا ارتکاب کر گزرتے ہیں۔ ایک جرم ان کے مرتد ہونے کا اور دوسرا جرم اللہ کی طرف سے ایک حرام کردہ چیز کو حلال قرار دینے کا (جس کا مرتکب بھی مرتد ہو جاتا ہے)۔“

(الرسالة الحادية عشرة من مجموعة التوحيد: ۳۵۲)

اسی طرح ہم سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر: ۵۱ کے ضمن میں قدیم مفسرین کے اقوال گزشتہ مسائل میں تفصیل سے پڑھ چکے ہیں۔ جس میں انہوں نے اس آیت کے ضمن میں آنے والوں کو واضح طور پر کافر و مرتد قرار دیا ہے۔ اسی طرح کا معاملہ درج بالا دیگر آیات کا بھی ہے۔

جہاں تک حربی کفار سے دوستی کرنے کا معاملہ ہے تو مفسرین نے یہ بات واضح طور پر قرآنی آیات کے ضمن میں بیان کر دی ہے کہ کفار سے دوستی کرنے والے شخص کو اس کی یہ دوستی کلمہ پڑھنے اور شریعت کو ماننے کے دعوے کے باوجود کفر و ارتداد کے گڑھے میں گرا دیتی ہے اور اس کا انجام بھی دنیا و آخرت میں ان ہی کافروں جیسا ہو جاتا ہے۔

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ سورۃ آل عمران کی آیت:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ﴾

”اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی کسی جماعت کی باتیں مانو گے تو وہ تمہارے ایمان لانے کے بعد تمہیں مرتد اور کافر بنادیں گے۔“ (آل عمران:۱۰۰)

کے ضمن میں فرماتے ہیں:

”اے وہ لوگو! جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا سچے دل سے کلمہ پڑھا اور نبی ﷺ ان کے پاس اللہ کی طرف سے جو شریعت لے کر آئے، اس کا سچے دل سے اقرار کیا، اگر تم اہل تورات اور اہل انجیل کی کسی ایسی جماعت کی اطاعت و پیروی کرنے لگ جاؤ جو خود کو کتاب (الٰہی) کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ تم اگر ان کی ہر اس معاملے میں پیروی کرتے جاؤ جو وہ تم سے کہتے جائیں تو لازماً وہ تم کو گمراہ کر دیں گے اور تم کو اسلام سے پھیر کر مرتد بنادیں گے۔ تم اپنے رب کی طرف سے لانے والے اور مبعوث کیے جانے والے رسول ﷺ کی تصدیق کے باوجود اور اپنے پروردگار کی طرف سے آئی ہوئی شریعت کا اقرار کرنے کے باوجود کافر ہو جاؤ گے“۔

(تفسیر الطبری:۷/۶۰، تفسیر القرطبی:۴/۱۵۵، تفسیر ابی سعود:۲/۶۴)

اسی طرح امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ سورۃ آل عمران کی آیت:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ﴾

”اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی باتیں مانو گے تو وہ تمہیں ایڑیوں کے بل پلٹادیں گے، یعنی تمہیں عنقریب مرتد بنادیں گے تم پھر نامراد ہو جاؤ گے“ (آل عمران:۱۴۹)

کے ضمن میں اسی طرح امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے امام السُدّی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ”﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ﴾ سے مراد ہے کہ ”اِنْ تُطِيْعُوْا اَبَا سُفْيَانَ يَرُدُّوْكُمْ كُفَّارًا“ اگر تم نے ابوسفیان اور اس کے ماتحتوں اور حواریوں کی بات مان لی تو وہ ابوسفیان تم کو کافر بنادے گا“۔

پھر اس آیت کے ضمن میں مزید فرماتے ہیں:

''اے وہ لوگو! جو اللہ تعالیٰ کے تمام وعدوں کو، اوامر اور نواہی کو سچا جانتے اور مانتے ہو! ﴿اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ آیت کے اس حصے میں اللہ تعالیٰ نے ﴿الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ سے یہود ونصاریٰ کے لوگ مراد لیے ہیں جنھوں نے پیغمبر آخر الزمان ختم الرسل جناب محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کا انکار کیا۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں: اگر تم ان یہودیوں اور عیسائیوں کی بات مانو گے۔ یعنی جس بات کا وہ تمھیں حکم دیں تم فوراً بجالاؤ اور جس کام سے وہ تمھیں منع کر دیں تم اس سے فوراً باز آجاؤ۔ اس معاملے میں تم ان کی رائے اور ان کے خیال کو قبول کرنے کو اپنے لیے اعزاز سمجھو اور ہر اس معاملے میں تم ان کی نصیحت کو قبول کرلو جس کے بارے میں وہ کافر ظاہر کرتے ہیں کہ وہ تمہارے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں۔ تو پھر یہ طرز عمل اور اطاعت گزاری ایمان لانے کے بعد (یعنی کلمہ پڑھنے کے باوجود) تمھیں مرتد بنادے گی۔ بلکہ مسلمان ہونے کے باوجود یہ اطاعت گزار تمھیں اللہ تعالیٰ، اس کی آیات اور اس کے رسول ﷺ کے انکار پر برانگیختہ کر دے گی۔ بعد ازاں اس کا لازمی اور بدیہی نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ ﴿فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ﴾ اپنے دین (یعنی اسلام) سے پھر جانے کی وجہ سے تم ہلاک اور برباد ہو جانے والے ہو جاؤ گے، اپنے آپ کو گھاٹا اور نقصان پہنچا بیٹھو گے، اپنے دین سے بہک جاؤ گے اور تمہادی دنیا بھی اور تمہاری آخرت بھی تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گی''۔ (تفسیر الطبری: ۷/۲۷۶،۲۷۷)

پس حافظ صاحب کا قرآنی آیات اور اس کی تفسیر کے بارے میں کتمان حق کا معاملہ اب کسی سے ڈھکا چھپا نہیں رہا کہ وہ کس طرح قرآنی آیات کی تفسیر کو ترمیم و تخفیف کر کے اپنے مردود نظریات و افکار پر فٹ کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ طواغیت وقت کا دفاع کیا جاسکے۔ بس جو شخص بھی ایسا کام شکرے یعنی اپنی رائے یا فلسفے کو قرآن کریم کے مفہوم میں ٹھوسنے کی کوشش کرے تو اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من قال في القرآن برايه فليتبوا مقعده من النار))

”جس شخص نے اپنی رائے سے کوئی مفہوم قرآن میں ٹھونسا اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے“۔ (مشکوۃ ص۳۵)

اہل علم کا ایسے شخص کے بارے میں کیا موقف ہو گا جو کہ تفسیرِ قرآن کے معاملے میں اس قدر خیانت اور بد دیانتی کا مرتکب ہو رہا ہو......؟؟ اگر ایسا شخص ”خدام القرآن“ ہونے کا دعوے دار بن کر دین کے معاملے میں تحقیق و تالیف کے مسند پر بیٹھ جائے تو پھر اسلام اور مسلمانوں کا اللہ ہی حافظ ہے......!!

دسواں نظری مسئلہ

کسی صریح افعالِ کفر کو ترک کرے بغیر کوئی شخص دوبارہ مسلمان کہلا سکتا ہے......؟؟

حافظ صاحب کہتے ہیں:

{”اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ محض کفار سے دوستی رکھنے سے ایک مسلمان کافر ہو جاتا ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کفر میں داخل ہونے کے بعد وہ کیا چیز ہے جو انہیں اسلام میں داخل کرے گی؟ ظاہری بات ہے کہ وہ کلمہ شہادت ہے اور اس کلمے کا ورد تو وہ (حکمران یا اس کے ماتحت سیکورٹی اہلکار) بدستور کر رہے ہیں، لہٰذا کفر میں داخل ہونے کے بعد پھر مسلمان ہو گئے“۔} (صفحہ نمبر:۱۲۸)

سوال یہ ہے کہ اگر حافظ صاحب کے بیان کردہ درج بالا اصول کو تسلیم کر لیا جائے کہ جو شخص بھی صریح کفر و ارتداد کا مرتکب ہو جائے تو اس کے مسلمان رہنے کے لئے صرف ضروری یہ ہے کہ وہ زبان سے کلمہ طیبہ کا ورد کرتا رہے، کفریہ افعال کا ترک کرنا اس پر واجب نہیں، تو پھر اس اصول کے تحت کیا قادیانی بھی مسلمان قرار پائیں گے......؟؟ کیونکہ وہ ختم نبوت پر ایمان نہ رکھنے جیسے صریح کفر کے مرتکب ہونے کے باوجود کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں......!!

سوال یہ ہے کہ کیا کسی شخص کے صریح افعال کفر پر اس کے دوبارہ مسلمان ہونے کے لئے سلف صالحین نے صرف یہ شرط عائد کی ہے کہ وہ صرف زبان سے کلمہ طیبہ پڑھتا رہے، اس کے لئے افعال کفر کا ترک کرنا لازمی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سلف صالحین میں سے کسی نے اگر ایسی کسی شرط کو بیان کیا ہے تو وہ پیش کی جائے! ورنہ درحقیقت یہ نظریہ پیش کرنے والے سے بڑھ کر دین کی جڑوں کو کوئی کھودنے والا نہیں ہے۔

حافظ صاحب کے درج بالا نظریئے کے رد میں ہم صرف امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ایک کلام نقل کرتے ہیں جس سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ افعال کفر ترک کرے بغیر صرف زبان سے کلمہ طیبہ کی مسلسل ادائیگی کی وجہ سے کوئی شخص مسلمان قرار نہیں پاسکتا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"كُلُّ طَائِفَةٍ خَرَجَتْ عَنْ شَرِيعَةٍ مِنْ شَرَائِعِ الْإِسْلَامِ الظَّاهِرَةِ الْمُتَوَاتِرَةِ فَإِنَّهُ يَجِبُ قِتَالُهَا بِاتِّفَاقِ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ ، وَإِنْ تَكَلَّمَتْ بِالشَّهَادَتَيْنِ۔ فَإِذَا أَقَرُّوا بِالشَّهَادَتَيْنِ وَامْتَنَعُوا عَنْ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ وَجَبَ قِتَالُهُمْ حَتَّى يُصَلُّوا۔ وَإِنْ امْتَنَعُوا عَنْ الزَّكَاةِ وَجَبَ قِتَالُهُمْ حَتَّى يُؤَدُّوا الزَّكَاةَ. وَكَذَلِكَ إِنْ امْتَنَعُوا عَنْ صِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ أَوْ حَجِّ الْبَيْتِ الْعَتِيقِ۔ وَكَذَلِكَ إِنْ امْتَنَعُوا عَنْ تَحْرِيمِ الْفَوَاحِشِ أَوْ الزِّنَا أَوْ الْمَيْسِرِ أَوْ الْخَمْرِ أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ مِنْ مُحَرَّمَاتِ الشَّرِيعَةِ۔ وَكَذَلِكَ إِنْ امْتَنَعُوا عَنْ الْحُكْمِ فِي الدِّمَاءِ وَالْأَمْوَالِ وَالْأَعْرَاضِ وَالْأَبْضَاعِ وَنَحْوِهَا بِحُكْمِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ. وَكَذَلِكَ إِنْ امْتَنَعُوا عَنْ الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنْ الْمُنْكَرِ وَجِهَادِ الْكُفَّارِ إِلَى أَنْ يُسْلِمُوا وَيُؤَدُّوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ"۔

"تمام مسلمان اس امر پر متفق ہیں کہ ہر اُس گروہ کے خلاف قتال واجب ہے جو اسلام کے مشہور و متواتر احکام کی بجا آوری کو ترک کر دے، اگرچہ وہ شہادتین کا اقرار کرتا ہو۔ مثلاً اگر وہ شہادتین کا اقرار کرنے کے بعد پانچ نمازیں پڑھنے سے انکار کر دیں تو ان کے خلاف قتال واجب ہو گا یہاں تک کہ وہ نماز پڑھنے لگیں۔ اسی طرح اگر وہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کریں تب بھی ان سے لڑنا واجب ہو گا یہاں تک کہ وہ زکوٰۃ ادا کرنے لگیں۔ ایسے ہی اگر وہ رمضان کے روزے رکھنے یا حج بیت اللہ کرنے سے انکار کریں تو بھی ان کے خلاف قتال واجب ہو گا۔ پھر اسی طرح اگر وہ فواحش یا زنا یا جوئے یا شراب کی حرمت کا پابند رہنے سے انکار کریں تو بھی ان کا یہی حکم ہو گا۔ نیز اگر وہ اپنے جان ومال، عزت و آبرو اور شادی

بیاہ جیسے معاملات میں کتاب و سنت کے مطابق فیصلے کرنے سے انکار کر دیں، یا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ بجالانے سے انکاری ہو، یا کفار کے مسلمان ہونے یا ذلیل بن کر جزیہ دینے تک جہاد جاری رکھنے سے انکار کریں، تب بھی ان کے خلاف قتال کرنا واجب ہو گا“۔

(الفتاویٰ الکبریٰ لابن تیمیة ، ج٦ص٤٢٦)

گیارھواں نظری مسئلہ

کیا ایک گروہ کے کئے گئے جرائم کا سزاوار صرف اس کا سرغنہ ہو گا......؟؟

حافظ صاحب آپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

{''دوسری اور اہم ترین بات یہ ہے کہ غیر شرعی قانون وضع کرنا یا ان کو نافذ کرنا یا ان کے مطابق فیصلے کرنا یا حربی کفار سے دوستیاں کرنا وغیرہ مقتدر طبقے سے متعلق ایک محدود جماعت کا تو جرم ہے لیکن ایک عام سیکورٹی اہلکار یا سرکاری ملازم کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ اسے سرکار کی خدمت کے عوض دووقت کی روٹی میسر ہو''۔}

حافظ صاحب کے بقول اگر حکمران طبقہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کو معطل کر دے، وضعی قوانین کو نافذ کرے، اسی طرح وہ مسلمانوں کے خلاف یہود و نصاریٰ کا ساتھ دے اور اس کام میں سیکورٹی اہلکار یا سرکاری ملازمین اس حاکم کے ساتھ معاونت کریں، یہاں تک کہ اپنی ''دوروٹی'' کی خاطر مسلمانوں کو خاک وخون میں نہلا دیں، ان کے مال واملاک کو برباد کر دیں، ان کے گھروں کو ویران کر دیں، ان کے کھیتوں کو اجاڑ دیں، ماؤں بہنوں کی عزت تک کو نیلام کر دیں، اس کے باوجود ان کے ایمان میں کوئی فرق نہیں پڑے گا اور وہ بہر صورت مسلمان رہیں گے اور ان کو مقتدر طبقے کے حکم پر ان جرائم میں ملوث ہونے کے باوجود اصل مجرم مقتدر طبقہ ہی ٹھہرے گا۔

اس ضمن میں سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ کیا کسی جرم میں شریک ''مباشر'' یعنی اصل ذمہ دار اور ''الردئ'' یعنی معاونت کرنے والوں کا حکم الگ الگ ہو گا یا یکساں؟

قرآن وسنت میں بیان کردہ رموز سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ کسی بھی گروہ کے جرائم کی سزا نہ صرف اس کے سرغنہ اور سربراہ کو ملتی ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس سزا کے مستحق اس کے ''جند'' یعنی لشکر اور افواج بھی ہوتی ہیں، اور بعض مخصوص صورتوں میں تو عام عوام بھی اسی سزا کے مستحق بن جاتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی کتاب عزیز، قرآن مجید میں فرعون، اس کے سرکردہ وزیروں اور عام فوجیوں کے لیے ایک جیسا حکم بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِيْنَ﴾

''بلاشبہ فرعون، ہامان اور ان دونوں کی فوجیں (سب کے سب) خطاکار تھے''۔

(القصص:۸)

﴿وَ نُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ﴾

''اور فرعون اور ہامان اور ان دونوں کے لشکروں (یعنی عام فوجیوں) کو ہم وہ (مرحلہ اور منظر) دکھائیں جس سے وہ ڈر رہے تھے۔'' (القصص:٦)

ایک مقام پر اللہ رب العزت نے فرعون اور اس کے فوجیوں اور سپاہیوں کی ایک جیسی سزاؤں کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ﴾

''بالآخر ہم نے (فرعون) کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا اور دریا برد کر دیا۔ اب دیکھ لیں گنہگاروں کا انجام کیا ہوا۔'' (القصص:۴۰)

جرم کرنے والا ایک ہو مگر باقی افراد کی تائید اس کو حاصل ہو تو عذاب میں سب شریک ہوتے ہیں اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں قوم ثمود کا واقعہ بیان کرتے ہوئے بیان فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ، فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ، اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ﴾

''انہوں نے اپنے ساتھی کو آواز دی جس نے وار کیا اور اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں۔ پس کیونکر ہوا میرا عذاب اور میرا اڈرانا۔ ہم نے ان پر ایک چیخ بھیجی پھر وہ ایسے ہوگئے جیسے کانٹوں کی روندی ہوئی باڑ۔'' (القمر:۲۹۔۳۱)

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَا ، اِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰهَا ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقْيٰهَا ، فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْبِهِمْ فَسَوّٰهَا﴾

''(قوم) ثمود نے اپنی سرکشی کے باعث جھٹلایا۔ جب ان میں ان کا بڑا بدبخت اٹھ کھڑا ہوا۔ انہیں اللہ کے رسول (جناب صالح علیہ السلام نے فرمادیا تھا۔ کہ اللہ کی اونٹنی اور اس کے پینے کی باری کی (حفاظت کرو)۔ ان لوگوں نے اپنے پیغمبر کو جھوٹا سمجھ کر اس اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں، پس ان کے رب نے ان کے گناہوں کے باعث ان پر ہلاکت ڈالی۔ پھر ہلاکت کو عام کر دیا اور اس بستی کو برابر کر دیا۔''

مذکورہ بالا دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ اونٹنی کی ٹانگیں کاٹنے والا ایک شخص تھا۔ مگر باقی افراد کی طرف سے اس کو تعاون، تائید اور ہلاشیری حاصل تھی۔ اس وجہ سے وہ سب برابر کے مجرم سمجھے گئے اور سب پر ہی عذاب نازل ہوا۔ (الشمس:۱۱۔۱۴)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں طاغوتوں اور کافر حکمرانوں کے لشکروں کو ''اوتاد'' کہا ہے۔ لفظ ''اوتاد'' جمع ہے۔ اس کا واحد ''وَتِدٌ'' ہے۔ ''وَتِدٌ'' کا معنی میخ اور کھونٹی ہے۔ کیل اور میخ کسی چیز کو مستحکم کرنے کے لیے ٹھوکا جاتا ہے۔ طاغوتوں اور کافر حکمرانوں کے فوجیوں اور لشکروں کو قرآن میں ''اوتاد'' اسی لیے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے حکمرانوں کے اقتدار اور حکومت کو مضبوط اور مستحکم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ فِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ، الَّذِيْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ ، فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ﴾

''اور (بھلا کیا سلوک کیا تیرے رب نے) فرعون کے ساتھ جو میخوں والا (یعنی لشکروں والا) تھا۔ ان سب (لشکروں) نے شہروں میں سر اٹھا رکھا تھا۔ اور بہت زیادہ فساد مچا رکھا تھا۔'' (الفجر: ۱۰۔۱۲)

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''اللہ جل ثناؤہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ تیرے رب نے ''صاحب اوتاد'' فرعون کے ساتھ جو حشر کیا، کیا آپ نے اس کو دیکھا؟۔ اہل تفسیر کا ''ذی الأوتاد'' کی تفسیر میں کچھ اختلاف ہے۔ اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ فرعون کو ''ذی الأوتاد'' کا لقب کیوں دیا گیا؟ اس بارے میں بعض مفسرین کا موقف یہ ہے کہ ''ذی الأوتاد'' کا معنی ''ذی الجُنُود'' ہے۔ ''ذی الجُنُود'' کا اردو میں معنی ''لشکروں والا'' ہے۔ لہٰذا لفظ اوتاد سے وہ افراد لشکر، افواج اور انتظامیہ مراد ہے جو اس کی حکومت و اقتدار کو طاقت اور قوت بخشتے تھے۔ مفسرین کے ایک گروہ کے موقف کے مطابق مذکورہ آیات میں لفظ ''اوتاد'' دراصل ''لشکروں'' کے معنی میں ہے۔''

قرآن کریم میں لشکروں کو ''اوتاد'' کہنے کی وجہ اور سبب بھی معلوم ہو گیا کہ وہ چونکہ کفر کی بادشاہت اور حکومت کو استحکام اور تسلط فراہم کرتے ہیں اس لیے وہ اوتاد یعنی میخیں اور کیلیں ہیں۔ اگر ان طاغوتوں اور حکمرانوں کو ان لشکروں اور افواج کی مدد حاصل نہ ہوتی تو ان کا کفر اور باطل اقتدار بہت جلد زمین بوس ہو جاتا۔

قرآن مجید کی مذکورہ آیات اور امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کی بیان کردہ تفسیر اس شخص کے دماغ کی کھڑکیاں کھولنے کے لیے کافی ہے جو ان حکمرانوں کی ماتحتی میں اپنے فرائض منصبی ادا کرنے والے عام فوجیوں اور اہلکاروں کا دفاع کرتا ہے کہ یہ لوگ ناچار اور بے بس ہیں۔ ان کو اوپر سے جو حکم ملتا ہے یہ اسی پر عمل کرتے ہیں۔ ان کے اپنے اختیار میں کچھ نہیں۔ لہٰذا یہ بالکل بے قصور اور بے گناہ ہیں یا

پھر اسی طرح کے دیگر عذر اور اسباب بیان کرتے ہیں۔ جبکہ اپنی ان باتوں پر وہ قرآن مجید کی کوئی آیت یا کوئی مستند اور صحیح حدیث پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

اس بناء پر سلف صالحین نے اپنی اپنی تالیفات و تصنیفات میں ایسے گروہ اور قوم کے معاملہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جس معاملہ میں بہت زیادہ لوگ شریک ہوتے ہیں۔ بعض اس معاملہ میں اصل ذمہ دار ہوتے ہیں، جبکہ بعض فقط معاون، مددگار اور کارکنان ہوتے ہیں۔ چناچہ اس بارے میں جو راجح اور واضح موقف ہے وہ یہی ہے کہ جب کسی قوم میں بعض لوگ بعض لوگوں کی مدد و معاونت کرتے ہیں تو وہ ایک ہی گروہ شمار کئے جاتے ہیں اور ان کا معاملہ بالکل برابر سمجھا جاتا ہے، چاہے کوئی اصل ذمہ دار ہو یا اس کا معاون ومددگار۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس مسئلے کے بارے فرماتے ہیں:

''وَإِذَا كَانَ الْمُحَارِبُوْنَ الْحَرَامِيَّةُ جَمَاعَةٌ ، فَالْوَاحِدُ مِنْهُمْ بَاشَرَ الْقَتْلَ ، وَالْبَاقُوْنَ لَهُ أَعْوَانٌ وَ رِدْئٌ لَهُ ، فَقَدْ قِيْلَ: إِنَّهُ يُقْتَلُ الْمُبَاشِرُ فَقَط ، وَالْجُمْهُوْرُ عَلٰى أَنَّ الْجَمِيْعَ يُقْتَلُوْنَ ، وَلَوْ كَانُوْا مِائَةً ، وَ أَنَّ الرِّدئَ وَالْمُبَاشِرَ سَوَاءٌ ، وَهٰذَا هُوَ الْمَأْثُوْرُ عَنِ الْخُلَفَاءِ الرَّشِدِيْنَ ، فَإِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَتَلَ رَبِيْئَةَ الْمُحَارِبِيْنَ ، وَالرَّبِيْئَةُ هُوَالنَّاظِرُ الَّذِيْ يَجْلِسُ عَلٰى مَكَانٍ عَالٍ ، يَنْظُرُ مِنْهُ لَهُمْ مَنْ يَّجِيْئُ، وَلِأَنَّ الْمُبَاشِرَ إِنَّمَا تَمَكَّنَ مَنْ قَتْلِهٖ بِقُوَّةِ الرِّدئِ وَ مَعُوْنَتِهٖ ، وَالطَّائِفَةُ إِذَا انْتَصَرَ بَعْضُهَا بِبَعْضٍ حَتّٰى صَارُوْا مُمْتَنِعِيْنَ فَهُمْ مُشْتَرِكُونَ فِي الثَّوَابِ وَالْعِقَابِ''

''جب اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے والے یعنی (مُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ) اور کسی شخص کو ناجائز قتل کرنے والے افراد ایک پوری جماعت اور گروہ کی شکل میں ہوں اور ایک ان میں سے اصل ذمہ دار، سرکردہ اور سرغنہ ہو۔ باقی افراد اس کے معاون، مددگار اور چیلے چمچے ہوں۔ تو اس بارے میں ایک قلیل اور شاذ قسم کی رائے یہ ہے

کہ صرف بڑے سرغنہ کو ہی بدلے میں قتل کیا جائے گا اور اس کے معاونین اور حامیوں کو چھوڑ دیا جائے گا۔ جبکہ علماء اسلام، فقہاء عظام اور محدثین کرام میں سے اکثر و پیشتر کا فتویٰ یہی ہے کہ وہ (سرغنہ لیڈر اور اس کے معاونین) سب کے سب قتل کر دیے جائیں گے، اگرچہ ایک قتل میں سو افراد شریک ہوں۔ اس لیے کہ سرکردہ لیڈر و قائد اور اس کے حامی و مددگار اس بارے میں ایک دوسرے کے ساتھ جرم میں برابر کے حصہ دار ہیں۔ خلفائے راشدین سے بھی یہی موقف منقول ہے۔ خلیفہ ثانی، مرادِ رسول سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے محاربین (ڈاکوؤں اور لٹیروں) میں شامل اس شخص کو بھی قتل کروایا تھا جو کسی اونچی جگہ بیٹھ کر فقط قتل و غارت کرنے والے گروہ کو معلومات فراہم کر رہا تھا۔ اور ان کے لیے ریکی (جاسوسی) کر رہا تھا۔ "رَبِیئَۃَ" اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی بلند ٹیلے اور مقام پر بیٹھ جاتا ہے اور وہاں سے وہ تمام حالات و واقعات اور اپنے ہدف کے بارے میں معلومات جمع کرتا ہے اور اپنے گینگ کے افراد کو بدستور پہنچاتا ہے۔ تاکہ وہ اس کے مطابق اپنی منصوبہ بندی کر سکیں۔ کوئی بھی ڈاکو اور قاتل اپنے دشمن کو قتل کرنے کی قدرت اس وقت پاتا ہے جب اس کو اپنے کسی ماتحت اور جیالے کی مدد و معاونت حاصل ہو۔ لہٰذا یاد رکھیے! یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جب بعض لوگ بعض کا تعاون کریں اور سپورٹ فراہم کریں۔ پھر اس تعاون اور سپورٹ کے نتیجے میں وہ ایک مضبوط اور ناقابل تسخیر قوت والی جماعت اور گروہ بن جائیں۔ پھر وہ جو بھی اچھا یا برا کام سرانجام دیں گے تو اس کے ثواب و عذاب اور نفع و نقصان میں سب کے سب شریک اور پارٹنر ہوں گے"۔

(مجموع الفتاوی:۲۸۔۔۔/۳۱۸،۳۱۲،۳۱۱)

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ اپنے مشہور فتوے میں فرماتے ہیں:

"قتل مسلم کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس فعل کو حلال سمجھے اور اس پر نادم اور متاسف نہ ہو، مثلاً کوئی مسلمان فوجی ہو اور وہ یہ سمجھے کہ لڑائی لڑنا ہی ہمارا کام ہے، مسلمان سامنے ہوں گے تو ان ہی سے لڑیں گے۔ یعنی مسلمانوں پر تلوار اٹھانا کوئی گناہ کی بات نہیں۔ یا یوں سمجھے

کہ ہمارے مالکوں کا یہی حکم ہے، ہم نے ان کا نمک کھایا ہے اس لئے ہمیں ایسا ہی کرنا چاہیے۔ یعنی اگر کوئی اپنا نمک کھلا کر حکم دے کہ مسلمانوں کا قتل کردو (جیسا کہ فی زمانہ ہو رہا ہے) تو قتل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، تو اس صورت میں تمام امت کا اجماعی فیصلہ ہے کہ وہ شخص "قطعاً و حتماً کافر" ہے۔ یعنی اس کفر کا مرتکب ہوا ہے جو ملت سے خارج کردیتا ہے۔ اس کا حکم شرعاً یہی ہوگا جو تمام کفار و مشرکین کا ہے، دنیا میں بھی اور عاقبت میں بھی۔ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ اس (شخص) کو مسلمان سمجھے اور اُس سلوک کا حقدار کہے جو مسلمانوں کو مسلمانوں کے ساتھ کرنا چاہیے۔ قتل مسلم کی تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی مسلمان کافروں کے ساتھ ہو کر ان کی فتح و نصرت کے لئے مسلمانوں سے لڑے یا لڑائی میں ان (کفار) کی اعانت کرے، اور جب مسلمانوں اور غیر مسلموں میں جنگ ہو رہی ہو تو وہ غیر مسلموں کا ساتھ دے۔ یہ صورت اس جرم کے کفر و عدوان کی انتہائی صورت ہے اور "ایمان کی موت" اور اسلام کے نابود ہونے کی ایک ایسی اشد حالت ہے جس سے زیادہ کفر و کافری کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ دنیا کے وہ سارے گناہ، ساری معصیتیں، ساری ناپاکیاں، ہر طرح و ہر قسم کی نافرمانیاں جو ایک مسلمان اس دنیا میں کرسکتا ہے یا ان کا وقوع دھیان میں آسکتا ہے، سب اس کے آگے ہیچ ہیں۔ جو مسلمان اس کا مرتکب ہو، وہ قطعاً کافر ہے اور "بدترین قسم کا کافر" ہے۔ اس کی حالت کو قتل مسلم کی پہلی صورت پر قیاس کرنا درست نہ ہوگا۔ اس نے صرف قتل مسلم ہی کا ارتکاب نہیں کیا، بلکہ اسلام کے خلاف دشمنان حق کی اعانت و نصرت کی ہے، اور یہ بالاتفاق بالاجماع کفر صریح اور قطعی مخرج من الملۃ ہے۔ جب شریعت ایسی حالت میں غیر مسلموں کے ساتھ کسی طرح کا علاقۂ محبت رکھنا بھی جائز نہیں رکھتی تو پھر صریح اعانت فی الحرب (جنگ میں مدد و نصرت) اور حمل السلاح علی المسلم (مسلمان پر ہتھیار اٹھانے) کے بعد کیونکر ایمان و اسلام باقی رہ سکتا ہے!" (قتل مسلم، ص ۵۰۱ تا ۵۰۲ از کتاب معارف مدنی افادات مولانا حسین احمد مدنیؒ، جمع و ترتیب مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی)

اسی طرح سنت رسول ﷺ اور خلفاء راشدین کا عمل اسی موقف کی تصدیق و تائید کرتا ہے بلکہ اگر گہرائی میں جا کر دیکھا جائے تو معاملہ اس سے کہیں آگے معلوم ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے اگر کسی قوم کا کوئی طے کیا ہوا معاہدہ ہوتا ہے۔ اس کو کچھ لوگ (یعنی بڑے بڑے لیڈر اور ذمہ داران) معاہدہ توڑ ڈالتے اور بعض لوگ محض خاموش تماشائی بنے رہتے۔ ان خاموش تماشائیوں کی خاموشی ان کی طرف سے رضا اور اقرار پر مہر تصدیق ثبت کر رہی ہوتی۔ پس رسول اللہ ﷺ دونوں قسم کے افراد کے ساتھ ایک جیسا ہی معاملہ کرتے۔ حالانکہ معاہدہ توڑنے والے چند بد دیانت، خائن، سرکش اور باغی ہوتے لیکن ان کی بنا پر ہی ”نقض عہد“ کی سزا تمام کو ملتی۔ قوم کے باقی افراد کی خاموشی ان کو سزا میں شامل کر دیتی۔

شیخ الاسلام امام ابن قیم رحمہ اللہ ان لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں جو معاہدہ توڑنے والے ہوں، ان کے ساتھ ایک جیسا سلوک روا رکھا جائے۔ خواہ وہ بذاتِ خود عہد توڑنے والے ہوں یا اس معاہدہ توڑنے پر خاموشی اختیار کرنے والے اور پسندیدگی ظاہر کرنے والے ہوں۔ سیرت النبی ﷺ کے حوالے سے اس بارے روشنی ڈالتے ہوئے امام ابن القیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں فرمایا:

”وَكَانَ هَدْيُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ إِذَا صَالَحَ قَوْمًا فَنَقَضَ بَعْضُهُمْ عَهْدَهُ وَصُلْحَهُ وَأَقَرَّهُمْ الْبَاقُونَ وَ رَضُوا بِهِ غَزَا الْجَمِيعَ وَجَعَلَهُمْ كُلَّهُمْ نَاقِضِينَ كَمَا فَعَلَ بِقُرَيْظَةَ ، وَالنَّضِيرِ وَبَنِي قَيْنُقَاعَ وَكَمَا فَعَلَ فِي أَهْلِ مَكَّةَ ، فَهٰذِهِ سُنَّتُهُ فِي أَهْلِ الْعَهْدِ وَعَلَى هَذَا يَنْبَغِي“

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قوم سے معاہدہ یا صلح کرتے۔ پھر اُن کے سب لوگ معاہدے کی خلاف ورزی کرتے یا اُن میں سے کچھ لوگ اسے توڑتے جبکہ باقی اُسے تسلیم کرتے اور اُن (خلاف ورزی کرنے والوں) سے راضی ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب پر حملہ کرتے اور اُن سب کو معاہدے کی خلاف ورزی کرنے والے قرار دیتے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ اور بنی نضیر اور بنی قینقاع کے ساتھ کیا۔ اور جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کے ساتھ کیا۔ تو یہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کی عہد توڑنے اور اُسکی خلاف ورزی کرنے والوں کے بارے میں سنت تھی"۔ (زاد المعاد، ج۳، ص۱۲۳)

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وَ أَنَّ هَدْيَهُ وَ سُنَّتَهُ إِذَا صَالَحَ قَوْمًا وَ عَاهَدَهُمْ فَانْضَافَ اِلَيْهِم عَدُوٌّ سِوَاهُمْ، فَدَخَلُوْا مَعَهُمْ فِيْ عَقْدِهِمْ، وَ انضَافَ اِلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُوْنَ فَدَخَلُوْا اِلَيْهِ فِيْ عَقْدِهٖ۔ صَارَ حُكْمُ مَنْ حَارَبَ مَنْ دَخَلَ مَعَهُ فِيْ عَقْدِهٖ مِنَ الْكُفَّارِ حُكْمُ مِنْ حَارَبَهُ۔''

"نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سیرت طیبہ اور حیات مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کسی قوم سے معاہدہ و صلح کرتے پھر جن کے ساتھ آپ کا معاہدہ طے پاتا ان کے ساتھ کوئی اور دشمن قبیلہ جا ملتا اور ان کے معاہدے میں شامل ہو جاتا تو وہ اس کیے ہوئے معاہدہ میں شامل سمجھا جاتا۔ اسی طرح اگر کوئی قبیلہ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے حالتِ کفر پر ہوتے ہوئے بھی آملتا۔ تو وہ آپ کے ساتھ معاہدہ میں شامل سمجھا جاتا۔ آپ کے ساتھ معاہدے میں شامل ہونے والے کسی کافر کے ساتھ کوئی قبیلہ بدعہدی کرتے ہوئے جنگ کرتا تو نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ان بدعہدی کرنے والوں کو بھی اپنا مدمقابل دشمن سمجھتے اور ان کے ساتھ جنگ کرتے"۔

(زادالمعاد، ج۲، ص۱۲۴)

امام ابن قیم رحمہ اللہ ایک واقعہ سے اس بات کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:

''وَ قَدْ أَفْتَيْنَا وَلِيَّ الْأَمْرِ لَمَّا أَحْرَقَتِ النَّصَارٰى أَمْوَالَ الْمُسْلِمِيْنَ بِالشَّامِ وَ دُوْرَهُمْ وَ رَامُوْا اِحْرَاق جَامِعِهِمُ الْأَعْظَمَ حَتّٰى أَحْرَقُوا مَنَارَتَهُ وَكَادَ {لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ} أَنْ يُّحْتَرَق كُلُّه، وَعَلِمَ بِذٰلِكَ مَنْ عَلِمَ مِنَ النَّصَارٰى وَ وَطَئُوا عَلَيْهِ وَ أَقَرُّوهُ وَ رَضُوْا بِهٖ وَ لَمْ يُعْلِمُوْا وَلِيَّ الْأَمْرِ، فَاسْتَفْتٰى فِيْهِمْ مَنْ وَلِيَ الْأَمْرَ مَنْ حَضَرَهُ مِنَ الْفُقُهَاءِ، فَأَفْتَيْنَاهُ بِانْتِقَاضِ عَهْدِ مَنْ فَعَلَ ذَالِكَ وَ أَعَانَ عَلَيْهِ بِوَجْهٍ مِّنَ الْوُجُوْهِ أَوْ رَضِيَ

بِهٖ وَ أَقَرَّ عَلَيْهِ ، وَ أَنَّ حَدَّ الْقَتْلِ حَتْمًا لَا تَخْيِيْرَ لِلْإِمَامِ فِيْهِ كَالْأَسِيْرِ ، بَلْ صَارَ الْقَتْلُ لَهُ حَدًّا''

''وقت کے حکمرانوں کو ہم نے تو یہی فتویٰ دیا تھا۔ جب عیسائیوں نے شام کے اندر مسلمانوں کی جائیداد، املاک، دیہاتوں، شہروں اور گھروں کو نذرِ آتش کر دیا۔ انہوں نے شام کی سب سے بڑی جامع مسجد کو بھی خاکستر کرنے کی مکمل تیاری کر لی تھی۔ یہاں تک کہ اس جامع مسجد کا ایک مینار انہوں نے جلا بھی دیا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص فضل نہ ہوتا تو وہ ساری مسجد کو جلا کر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر دیتے۔ ملک شام کے اندر ہونے والی اس کاروائی کا جب وہاں موجود دیگر عیسائیوں کو پتہ چلا۔ انہوں نے اس کی موافقت اور تائید ہی ظاہر کی۔ اس پر خوشی کا اظہار کیا۔ لیکن اس بات کی انہوں نے وقت کے حکمرانوں کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔ (معاملہ کھل جانے پر) اس وقت کے حکمران نے اس وقت کے فقہاء سے فتویٰ طلب کیا۔ ہم نے اس کو یہ فتویٰ دیا کہ جس جس عیسائی نے اپنے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے معاہدہ توڑا ہے۔ حملہ آوروں کا کسی طرح تعاون کیا ہے، اس پر خوشی کا اظہار کیا ہے یا اپنے لبوں پر مہر خاموشی لگاتے ہوئے ان کی تائید کی ہے۔ ان سب معاہدہ توڑنے والوں کی سزا سوائے قتل کے اور کوئی نہیں ہے''۔ (زادالمعاد، ج۳ص۱۲۳)

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ:

''وَ بِهٰذَا أَفْتَى شَيْخُ الْإِسْلَامِ ابْنُ تَيْمِيَّةَ بِغَزْوِ نَصَارَى الْمَشْرِقِ لَمَّا أَعَانُوا عَدُوَّ الْمُسْلِمِيْنَ عَلَى قِتَالِهِمْ فَأَمَدُّوهُمْ بِالْمَالِ وَالسِّلَاحِ وَإِنْ كَانُوا لَمْ يَغْزُونَا وَلَمْ يُحَارِبُونَا ، وَرَآهُمْ بِذٰلِكَ نَاقِضِيْنَ لِلْعَهْدِ كَمَا نَقَضَتْ قُرَيْشٌ عَهْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِعَانَتِهِمْ بَنِي بَكْرِ بْنِ وَائِلٍ عَلَى حَرْبِ حُلَفَائِهٖ''

''ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مشرق کے اُن نصاریٰ پر حملے کا فتویٰ دیا تھا کہ جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف لڑائی میں اُن کے دشمن کی مال واسلحے سے مدد کی تھی، اگرچہ انہوں (مشرق کے

نصاریٰ) نے نہ تو ہم پر حملہ کیا تھا اور نہ ہمارے خلاف جنگ کی۔ لیکن آپ (ابن تیمیہ) نے اُنہیں معاہدے کی خلاف ورزی کرنے والے شمار کیا۔ جیسا کہ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں، بنی بکر بن وائل کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیفوں کے خلاف جنگ میں مدد کرکے معاہدہ توڑا تھا“۔(زاد المعاد، ج۳، ص۱۲۴)

غور کرنے کا مقام ہے کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس شخص پر جو مسلمانوں سے جنگ کے موقع پر کفار کا تعاون کرتا ہے اور آلات حرب و ضرب اور مال و دولت کے ساتھ ان کو سپورٹ فراہم کرتا ہے، اس کو جنگ کرنے والوں اور لڑائی کرنے والوں کے ہی حکم میں شامل کرتے ہیں۔ بس ان تعاون کرنے والوں کا بالکل وہی معاملہ ہے جو مسلمانوں کیساتھ بذات خود جنگ کرنے والوں کا ہے۔ باجود اس کے کہ وہ مسلمانوں سے جنگ کرنے والوں کے ساتھ بذات خود جنگ میں شامل نہیں تھے۔

اسی طرح جن عیسائیوں نے مسلمانوں کے گھروں اور جائیدادوں کو نذر آتش کرنے والوں کی بے غیرتی پر مسرت و شادمانی کا اظہار کیا تھا۔ امام ابن قیم دونوں قسم کے افراد کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ سب قتل کر دیے جانے کے مستحق ہیں۔ حاکم وقت کو یہ بھی اختیار نہیں کہ وہ ان میں سے کسی کے لیے معافی کا پروانہ جاری کر سکے، ان کی حتمی سزا صرف اور صرف قتل ہے۔ اس سے آپ کو اس شخص کے متعلق تو بالکل واضح ہو جائے گا کہ جو کافروں کے اقدامات کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے ان کا تعاون کرتا ہے، ان کو مالی طور پر اور معلومات کی فراہمی کے ساتھ سپورٹ فراہم کرتا ہے۔ بلکہ اس سے کہیں آگے نکل کر مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے لیے کافروں کے ساتھ نکل کھڑا ہوتا ہے۔ کافروں کے اتحاد میں شامل ہو جاتا ہے (یہ الگ بات ہے کہ اس کو لڑائی میں عملاً حصہ لینے کا موقع بھی نہ ملے) ایسے معاونین اور مددگاروں کا وہی حکم ہے جو اس جنگ میں حصہ لینے والے بڑے بڑے بدمعاشوں، سرغنوں اور سرپرستوں کا ہے۔ یہ سب کے سب اب ایک گروہ شمار ہوں گے اور ان کا ایک ہی حکم اور معاملہ ہو گا۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس شخص کے بارے میں جو صرف زبان سے کسی گروہ کی حمایت کر رہا ہو اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

''وَالْمُحَارَبَةُ نَوْعَانِ: مُحَارَبَةٌ بِالْيَدِ ، وَمُحَارَبَةٌ بِاللِّسَانِ......إِلٰى قَوْلِهٖ رَحِمَهُ اللّٰهِ: وَ كَذٰلِكَ الْإِفْسَادُ قَدْ يَكُوْنُ بِالْيَدِ وَ قَدْ يَكُوْنُ بِاللِّسَانِ ، وَمَا يُفْسِدُهُ اللِّسَانُ مِنَ الْأَدْيَانِ أَضْعَافُ مَا تُفْسِدُهُ الْيَدُ۔''

”جنگ دو طرح کی ہوتی ہے: (۱) ہاتھ سے جنگ (۲) زبان سے جنگ......

(امام ابن تیمیہ مزید فرماتے ہیں:) کبھی کبھار تو اس میں ہاتھ کا عمل دخل ہوتا ہے اور کبھی کبھار اس میں زبان کا دخل ہوتا ہے۔ البتہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ جو فساد دینوں اور مذہبوں کی طرف سے زبان کے ساتھ پھیلایا جا سکتا ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے جو ہاتھ کے ساتھ پھیلانا ممکن ہے۔“

مذکورہ بالا تمام مثالوں، دلیلوں اور واقعات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ آج مسلمانوں میں سے جو شخص بھی اسلام کے خلاف اور مسلمانوں کے خلاف ہونے والی جنگ میں اپنے قول یا اپنے فعل سے شریک ہو گا، مجاہدین اسلام کے خلاف اپنے ہاتھ یا زبان سے کافروں کی مدد کرے گا، وہ کافر اور مرتد قرار پائے گا۔ ایسے شخص کو قتل کرنا ہر اس شخص پر واجب ہے جس کے پاس اس کام کی استطاعت موجود ہے۔ اس مسئلے میں درج ذیل لوگوں کا حکم برابر ہے مثلاً:

☆ چاہے وہ بڑے بڑے حکمران اور لیڈر ہوں۔

☆ چاہے حکمرانوں کے وزیر اور مشیر ہوں۔

☆ چاہے ان کی حمایت میں آرٹیکلز (Articles) لکھنے والے کالم نگار ہوں۔

☆ چاہے وہ شُيُوْخُ الضَّلَالَةِ (گمراہ کرنے والے علمائے سوء) ہوں جو مسلمانوں کے خلاف برپا جنگ میں عام لوگوں کو کافروں کا ساتھ دینے کی دعوت اور تبلیغ کرتے ہوں۔

☆ چاہے وہ افواج اور انتظامیہ سے تعلق رکھنے والے عام فوجی اور اہلکار ہوں۔

☆ چاہے وہ کافروں کے لیے اپنا قولی اور فعلی تعاون کرنے والے شعراء، مفکرین، اخبار نویس اور اخباری رپورٹر ہوں۔

☆ اور عوام الناس میں سے وہ لوگ جو کہ کافروں کو اپنا جانی اور مالی تعاون پیش کرنے والے ہوں۔

الغرض یہ تمام لوگ در حقیقت ایک گروہ اور جماعت ہیں، کفر وارتداد کے احکام اور جنگ و قتال کے معاملہ میں ان سب کا ایک ہی حکم ہے۔ اس حوالے سے ہم آخر میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ایک قول نقل کر دیتے ہیں جو کہ اس مسئلے میں دلیل قاطع کی حیثیت رکھتا ہے۔ چناچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ایک اثر نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وَكَذَالِكَ الْأَثَرُ الْمَرْوِيّ ((إِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قِيْلَ: أَيْنَ الظَّلَمَةُ وَأَعْوَانُهُمْ؟ أَو قَالَ: وَأَشْبَاهُهُمْ؟ فَيُجْمَعُوْنَ فِيْ تَوَابِيْتَ مِنْ نَارٍ ثُمَّ يُقْذَفُ بِهِمْ فِي النَّارِ)) وَ قَدْ قَالَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ السَّلَفِ: ((أَعْوَانُ الظَّلَمَةِ مِمَّنْ أَعَانَهُمْ، وَلَوْ أَنَّهُ لَاقَ لَهُمْ دَوَاءً، أَوْ بَرَى لَهُمْ قَلَمًا، ومِنْهُمْ مَنْ كَانَ يَقُوْلُ: ''بَلْ مَنْ يَّغْسِلُ ثِيَابَهُمْ مِنْ أَعْوَانِهِمْ، وَأَعْوَانُهُمْ هُمْ مِنْ أَزْوَاجِهِمْ الْمَذْكُوْرِيْنَ فِي الْآيَةِ، فَإِنَّ الْمُعِيْنَ عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى مِنْ أَهْلِ ذَالِكَ، وَالْمُعِيْنُ عَلَى الْإِثْمِ وَالعُدْوَانِ مِنْ أَهْلِ ذٰلِكَ، قَالٰى تَعَالٰى: ﴿مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا وَ كَانَ اللهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا﴾ وَالشَّافِعُ الَّذِيْ يُعِيْنُ غَيْرَهٗ فَيَصِيْرُ مَعَهٗ شَفَعًا بَعْدَ أَنْ كَانَ وِتْرًا، وَلِهٰذَا فُسِّرَتُ الشَّفَاعَةُ الْحَسَنَةُ بِإِعَانَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الجِهَادِ، وَالشَّفَاعَةُ السَّيِّئَةُ بِإِعَانَةِ الْكُفَّارِ عَلٰى قِتَالِ الْمُؤْمِنِيْنَ كَمَا ذَكَرَ ذٰلِكَ ابْنُ جَرِيْرٍ وَأَبِيْ سُلَيْمَانَ۔''

''ایک روایت میں آتا ہے کہ ''جب قیامت کا دن ہو گا آواز دی جائے گی: ظالم و جابر اور ان کے مددگار و معاون کہاں ہیں؟ انہیں آگ کے صندوقوں میں جمع کر دیا جائے گا۔ پھر ان

سب کو جہنم کی آگ میں پھینک دیا جائے گا''۔ اسی وجہ سے سلف صالحین میں سے بہت زیادہ افراد کا یہ موقف ہے کہ ''ظالموں اور جابروں کے مددگاران لوگوں کے حکم ہی میں شامل ہیں جن کا وہ تعاون کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ ظالموں کے لیے محض دوادارو اور علاج معالجہ کا ہی بندوبست کریں یا محض ان کو قلم تراش کر ہی پیش کریں۔'' بعض سلف نے تو یہاں تک کہا ہے کہ ''ظالموں کے کپڑے دھونے والا بھی ان کے ساتھ ہو گا''۔ جس جس میدان میں کوئی کسی کو تعاون پیش کرتا ہے وہ اس میدان میں اصل ذمہ دار کے گناہ یا ثواب میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔ اگر کوئی کسی کا نیکی اور تقویٰ کے معاملات میں تعاون کرتا ہے تو وہ اس نیکی اور تقویٰ میں ثواب میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی گناہ اور زیادتی کے معاملات میں کسی کا تعاون کرتا ہے تو وہ اس گناہ اور زیادتی کی سزا میں کا برابر شریک ہوتا ہے۔ اسی بات کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی فرمایا ہے: ''جو شخص کسی نیکی یا بھلے کام کی سفارش کرے اسے بھی اس (نیکی اور بھلے کام کے اجر) کا کچھ حصہ ملے گا اور جو برائی اور بدی میں سفارش کرے اس کے لیے بھی اس (برائی اور بدی کے گناہ اور سزا) میں ایک حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔'' عربی زبان میں ایک لفظ ''الشفع'' ہے اور ایک لفظ ''الوتر'' ہے۔ طاق عدد کو ''الوتر'' کہتے ہیں جبکہ جفت عدد کو ''الشفع'' کہتے ہیں۔ ''الشافع'' (سفارشی) وہ ہوتا ہے کہ جو کسی کی سفارش کرکے اس کی معاونت اور مدد کرتا ہے تو وہ اس کے ساتھ مل کر شفع (یعنی ڈبل) ہو جاتا ہے جبکہ سفارش سے پہلے وہ ''وتر'' (یعنی سنگل) ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں مذکورہ سورۃ النساء کی آیت:۸۵ میں جو ﴿شَفَاعَةً حَسَنَةً﴾ کا تذکرہ آیا ہے۔ مفسرین کرام نے اس سے ''مومنوں کی جہاد پر مدد'' کرنا مراد لیا ہے۔ اسی آیت کریمہ میں جو ﴿شَفَاعَةً سَيِّئَةً﴾ کا تذکرہ آیا ہے اہل تفسیر نے اس سے مومنوں کے خلاف جنگ میں کافروں کی مدد کرنا'' مراد لیا ہے۔ امام ابن جریر طبری اور امام ابوسلیمان نے اپنی اپنی تفاسیر میں یہ تفسیر بیان فرمائی ہے۔'' (مجموع الفتاوی: ۷/۶۴)

امید ہے کہ حافظ صاحب کو جو غلط فہمی ہو گئی تھی کہ:

{”حربی کفار سے دوستیاں کرنا وغیرہ مقتدر طبقے سے متعلق ایک محدود جماعت کا تو جرم ہے لیکن ایک عام سیکورٹی اہلکار یا سرکاری ملازم کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہو تا سوائے اس کے کہ اسے سرکار کی خدمت کے عوض دو وقت کی روٹی میسر ہو“۔}

وہ ان شاء اللہ دور ہو گئی ہو گی، بشرطیکہ:

﴿مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ﴾ (ق:٣٣)

”جو رحمن سے غائبانہ طور پر ڈرتا ہو اور رجوع کرنے والا دل لایا ہو“۔

بارھواں نظری مسئلہ

کافروں سے مجبوراً ظاہری دوستی کرنے کا شرعی مفہوم کیا ہے......؟

حافظ صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

{"مسلمان ممالک کے حکمرانوں کی اکثریت یہود و نصاریٰ سے دوستیاں اس وجہ سے کرتی ہے کہ وہ ان سے ڈرتے ہیں......اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار سے اپنے بچاؤ کی تدبیر کے طور پر ان سے "ظاہری دوستی" کی اجازت دی ہے"۔(صفحہ نمبر:۱۱۴)

پھر وہ سورۃ آل عمران کی آیت نقل کرتے ہیں:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ﴾(آل عمران:۲۸)

"مومنوں کو چاہیے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ اللہ کی حمایت میں نہیں، مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح بچاؤ مقصود ہو۔ اور اللہ تعالیٰ خود تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے"۔

پھر اس آیت مبارکہ کے ضمن میں کہتے ہیں:

"اس آیت مبارکہ میں "تقاہ" سے مراد سلف صالحین نے تقیہ اور خوف دونوں لئے ہیں۔ امام شنقیطی مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "اگر دشمن کے خوف کے سبب سے کوئی مسلمان ان سے تعلق ولایت کا اظہار کرے تو یہ جائز ہے"۔} (صفحہ نمبر:۱۱۵)

سوال یہ ہے کہ حافظ صاحب نے اپنی کتاب میں اس بات کی وضاحت کر دی کہ اپنی جان بچانے کے لئے کفار سے تعلق ولایت کا اظہار جائز ہے اور اس سے انسان دین اسلام سے خارج نہیں ہوتا لیکن اس بات کی وضاحت نہیں فرمائی کہ "ظاہری دوستی" کی حدود کیا ہوں گی؟

کیا اس "ظاہری دوستی" سے مراد صرف زبانی کلامی دوستی کا اظہار ہے یا پھر اس ظاہری دوستی کی آڑ میں اپنی جان بچانے کی خاطر اپنے ہی ہزاروں مسلمانوں کی جان لے لینا، ان کو نشانہ بنانے اور گرفتار کرنے کے لئے ان کی جاسوسی کرنا، "کولیشن سپورٹ فنڈ" کے نام پر اربوں ڈالر سالانہ وصول کر کے سینکڑوں مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کے حوالے کر دینا اور اس معاملے میں اپنی ماؤں بہنوں کی دلالی کرنے سے بھی نہ چوکنا، غرضیکہ کافروں کو ہر طرح کی عسکری و غیر عسکری سہولیات مہیا کرنا، اپنے بحر و بر ان کی افواج کے استعمال کے لئے دے کر "فرنٹ لائن اسٹیٹ کا کردار ادا کرنا، کیا سب کا سب "ظاہری دوستی" میں شمار کیا جائے گا اور ان تمام افعال ارتکاب کے باوجود اس شخص کے اسلام پر کوئی فرق واقع نہیں ہو گا اور وہ ہر صورت مسلمان ہی قرار پائے گا......؟؟

پس جس شخص نے تقیہ کا یہ مطلب سمجھا ہے، دراصل اس نے دین اسلام میں ایسی بات گھڑی اور بیان کی، جس کا فتنہ و فساد کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اس "تقیہ" کے مسئلے میں سلف و صالحین کے تفصیلی اقوال دیکھے جائیں تو یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں رہے گی کہ "ظاہری دوستی" سے مراد صرف زبانی کلامی ولایت کا اظہار ہے، عملی طور پر کسی بھی قسم کے تعاون کا اس مسئلے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جو کوئی بھی "ظاہری دوستی" کے آڑ میں وہ سب کچھ کرے جس کا ذکر اوپر کیا گیا تو اس شخص کے کفر میں کوئی شک نہیں اور اس کو مسلمان کسی صورت قرار نہیں دیا جا سکتا۔

چناچہ مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

((لَيْسَ التَّقِيَّةُ بِالْعَمَلِ اِنَّمَا التَّقِيَّةُ بِاللِّسَانِ))

"(اگر کافروں کے شر کے خوف سے) بظاہر دوستی کا اظہار کرنا پڑ ہی جائے تو وہ صرف قول و گفتار کی حد تک ہو، کسی عمل و کردار سے نہ ہو۔" (تفسیر ابن کثیر: ۱/۳۵۷)

اسی طرح عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس حوالے سے مزید قول ملتے ہیں:

((اِنَّمَا التَّقِيَّةُ بِاللِّسَانِ))

"تقیہ (کافروں کے ساتھ بظاہر دوستی کا اظہار) صرف زبان کی حد تک جائز ہے۔ (نہ کہ عملی کاروائیوں سے)"۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱/۳۵۷)

((هُوَ أَنْ يَّتَكَلَّمَ بِلِسَانِهِ وَ قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيْمَانِ وَ لَا يَقْتُلُ وَ لَا مَأْثَمًا))

"تقیہ اس کو کہتے ہیں کہ کوئی مسلمان شخص کفار کے شر سے بچنے کے لیے اپنی زبان سے کوئی ایسی بات کہہ دے جس سے بچاؤ ممکن ہو۔ اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔ تقیہ کرتے وقت نہ تو کسی مسلمان کو قتل کرنا جائز ہے اور نہ ہی کسی گناہ کا ارتکاب کرنا جائز ہے۔"

(تفسیر القرطبی: ۴/۵۷)

عوف اعرابی رحمہ اللہ جناب حسن بصری رحمہ اللہ سے تقیہ کے بارے میں نقل کرتے ہیں:

''التَّقِيَّةُ جَائِزٌ لِلْمُؤْمِنِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ لَا يُجْعَلُ فِي الْقَتْلِ تَقِيَّة''

"تقیہ کرنے کی سہولت اور اجازت مومن کے لیے قیامت تک باقی ہے۔ مگر کسی خونِ ناحق میں تقیہ کرنا جائز نہیں ہے۔" (فتح الباری: ۱۲/۳۱۴، کتاب الاکراہ، الحدیث: ۶۹۴۰)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس مسئلہ کی یوں وضاحت کرتے ہیں:

"اس بارے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ اگر کسی شخص کو زبردستی مسلمانوں کے خلاف میدانِ جنگ میں لایا گیا ہو تو ایسے شخص پر لازم ہے اور ضروری ہے کہ وہ شخص جنگ میں حصہ نہ لے۔ خواہ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو جائے، بلکہ اس کو قتل ہونا برداشت کر لینا چاہیے۔ یہ بات بالکل ایسے ہے کہ مثلاً کسی مسلمان کو کافر زبردستی اپنے ساتھ لے

جاتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرے۔ ایسی صورت میں اس کے لیے بالکل جائز نہیں کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑنی شروع کر دے۔ اس بات کو ایک دوسری مثال سے بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک آدمی کسی دوسرے مسلمان آدمی کو مجبور کرتا ہے کہ تو فلاں بے قصور اور معصوم مسلمان کو قتل کر دے۔ اس مسئلہ پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ اس مجبور کیے جانے والے شخص کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ اس بے گناہ اور معصوم کو قتل کر ڈالے، اگرچہ مجبور کرنے والا کتنا ہی مجبور کرے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ مجبور کرنے والا شخص یہ دھمکی لگاتا ہے کہ اگر تو اس بے گناہ اور معصوم مسلمان کو قتل نہیں کرے گا تو میں تجھے قتل کر ڈالوں گا۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ وہ مجبور کیا جانے والا شخص خود قتل ہونا برداشت کر لے۔ مگر بے گناہ مسلمان بھائی کے درپے نہ ہو۔ کیونکہ اپنی جان کو بچاتے ہوئے کسی بے گناہ مسلمان کو قتل کر ڈالنا کسی طور پر بھی قرین عقل و انصاف نہیں ہے۔ لہٰذا ایسے مجبور کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے کہ خود قتل ہونے کے خوف سے کسی دوسرے مسلمان کو قتل کر ڈالے“۔ (مجموع الفتاوی: ۲۸/۵۴۰)

اس بارے مشہور و معروف مفسر قرآن علامہ قرطبی رحمہ اللہ سورۃ النمل کی آیت ۱۰۶ کے ضمن میں فرماتے ہیں:

”اجمع العلماء على أن اكره على قتل غيره، أنه لا يجوز له الاقدام على قتله ولا انتهاك حرمته بجلد أوغيره و يصير على البلاء الذى نزل به، ولا يحل له أن يفدى نفسه بغيره، ويسأل الله العافية فى الدنيا والآخرة“۔

”علماء کا اس مؤقف پر متفقہ فیصلہ ہے کہ جس شخص کو مجبور کیا جائے کہ تو فلاں بے گناہ مسلمان کو قتل کر دے تو ایسی صورت میں بھی مجبور کیے جانے والے شخص کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کر ڈالے یا اس کی عزت کو پامال کر ڈالے یا اس پر جسمانی تشدد کرے یا اس طرح کا کوئی اور کردار ادا کرے۔ بلکہ مجبور کیے جانے والے شخص پر لازم ہے کہ اگر اس پر عرصۂ حیات تنگ کیا جاتا ہے اور اس کو اذیتوں اور ابتلاؤں سے

دوچار کیا جاتا ہے تو وہ ان پریشانیوں اور اذیتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہوا اپنے اللہ سے اجر وثواب کی امید رکھے۔ یہ قطعاً جائز نہیں کہ اپنی جان بچاتے بچاتے وہ کسی دوسرے مسلمان کی جان لے لے۔ ویسے ہر قسم کے حالات میں اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی عافیت اور خیریت ہی مانگتے رہنا چاہیے۔“ (تفسیر القرطبی: ج۱۰/ص۱۸۳)

آخری بات اس سلسلے میں یہ ذہن نشین رہے کہ زبانی کلامی دوستی بھی کوئی ”عزیمت“ کا راستہ نہیں بلکہ یہ تو وہ ”رخصت“ کا راستہ ہے جو کہ شریعت نے فقط اپنی جان بچانے کے لئے کمزور ایمان والوں کو دی ہے ورنہ عزیمت کے خوگر تو زبانی کلامی بھی یہود و نصاریٰ کی دوستی کا دم بھرنے کو ایمانی غیرت کے منافی سمجھتے ہیں۔

تیرھواں نظری مسئلہ

کفار کے حملہ آور ہونے پر کیا صرف حکومت پر جہاد فرض عین ہوتا ہے.....؟؟

حافظ صاحب جہاد فی سبیل اللہ کی فرضیت سے متعلق کہتے ہیں:

{”ایک موٴقف کے مطابق (جو کہ خود حافظ صاحب کا بھی ہے کہ) کشمیر کا جہاد حکومت پاکستان اور ریاستی افواج پر فرض ہے جو اس کی کامل استطاعت بھی رکھتے ہیں اور اس کے ذمہ دار بھی ہیں جبکہ پاکستانی عوام پر یہ جہاد فرض عین نہیں ہے۔ اس بارے میں عامۃ الناس کا فرض یہی ہے کہ وہ اُس جماعت (یعنی حکومت اور فوج) کو جہاد و قتال پر ابھاریں جو کہ اس کی استطاعت و اہلیت رکھتی ہے“۔(صفحہ نمبر:۱۹۲)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

”اس لئے اگر افغانی امریکہ کے بالمقابل اپنے ملک کا دفاع نہیں کر سکتے تو افغانستان کے ساتھ ملحقہ ریاستوں کے مقتدر طبقہ پر یہ جہاد و قتال فرض عین ہوگا نہ کہ عامۃ الناس پر، کیونکہ اس فرض کی ادائیگی کی اہلیت مقتدر طبقے یا سیکورٹی فورسز میں ہے نہ کہ عوام کے پاس“۔}
(صفحہ نمبر:۲۱۵)

مسلمانوں کے کسی علاقے پر کفار کے حملہ آور ہونے کی صورت میں (جبکہ یہ امر واضح ہے کہ جہاد تعین کے ساتھ اس علاقے میں بسنے والے ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہو جاتا ہے) اگر مقامی مسلمانوں کے لئے اپنا دفاع کرنا ناممکن ہو جائے‘ تو حافظ صاحب اس موقع پر اس علاقے کے قرب وجوار کے عام مسلمانوں پر جہاد کے فرض عین کے ہونے کے قائل نہیں، بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس موقع پر

جہاد فرض عین صرف ریاستی سطح پر ہوتا ہے نہ کہ عامۃ الناس کی سطح پر، کیونکہ اس فرض کی ادائیگی کی اہلیت حکومت کے پاس ہے نہ کہ عامۃ الناس کے پاس۔

سوال یہ ہے کہ حافظ صاحب نے اس مسئلے کے بارے میں اپنا جو مؤقف پیش کیا ہے وہ واقعتاً جہاد فی سبیل اللہ کے فرض عین ہونے کے سلف صالحین کے مؤقف کے مطابق ہے، یا پھر یہ فلسفہ اور نظریہ ان کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے۔

اس ضمن میں ہم سب سے پہلے یہ سمجھتے ہیں کہ جب کفار مسلمانوں پر حملہ آور ہو جائیں اور مسلمانوں کے علاقوں کو تخت و تاراج کرنے میں مصروف ہوں تو ازروئے شریعت کس کس پر جہاد تعین کے ساتھ فرض عین ہو جاتا ہے؟ چناچہ امام عبد اللہ عزام اپنے مشہور و معروف بلکہ متفقہ فتوے کے صفحہ نمبر ۶۴ میں لکھتے ہیں:

((اتفق السلف و الخلف وجميع الفقهاء و المحدثين فى جميع العصور الاسلامية أنه: اذا اعتدى على شبر من أراضى المسلمين أصبح الجهاد فرض عين على كل مسلم ومسلمة ، بحيث يخرج الولد دون اذن والده والمرأة دون اذن زوجها))

''سلف و خلف، چاروں فقہی مذاہب کے علماء، محدثین اور مفسرین، تاریخِ اسلامی کے تمام ادوار میں اس بات پر غیر مشروط طور پر متفق ہیں کہ اگر کفار مسلمانوں کے کسی بھی علاقے میں گھس آئیں تو وہاں بسنے والوں اور ان کے قرب و جوار میں رہنے والوں پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں اولاد والدین کی، بیوی شوہر کی اور مقروض قرض خواہ کی اجازت کے بغیر نکلیں گے''۔

امام دسوقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”دشمن کے اچانک حملے کی صورت میں دفاع کرنا ہر ایک کی ذمہ داری بن جاتی ہے، خواہ کوئی عورت، غلام یا بچہ ہی کیوں نہ ہو، اور چاہے شوہر، آقا یا قرض خواہ انہیں منع کریں، یہ پھر بھی نکلیں گے“۔ (حاشیہ الدسوقی، ج۲ص۱۷۴)

امام الرملی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اگر کفار ہمارے علاقے میں گھس آئیں اور ہمارے اور کفار کے درمیان ”قصر“ کی مسافت رہ جائے تو اس مسافت کے اندر بسنے والے سب مسلمانوں کے لئے دفاع کرنا لازم ہو گا، حتیٰ کہ وہ لوگ جن پر عام طور پر جہاد فرض نہیں ہوتا، یعنی فقیر، کم عمر بچہ، غلام، مقروض اور عورت، اب ان پر بھی لازم ہو گا کہ وہ دفاع کریں“۔

(نهاية المحتاج، ج۸ص۵۵۸)

لیکن جب کسی مسلم علاقے پر کفار کے حملہ آور ہونے کی صورت میں وہاں کے مسلمان کسی بھی وجہ سے اس فرض کی ادائیگی نہ کر رہے ہوں تو اس بارے میں امام عبداللہ عزام رحمہ اللہ اپنے فتوے کے صفحہ نمبر ۶۴ میں لکھتے ہیں:

”اگر دشمن کو پچھاڑنے کے لئے یہ سب لوگ ناکافی ہوں، یا یہ لوگ کوتاہی کریں، یا سستی سے کام لیں، یا بلاعذر بیٹھے رہیں تو فرضیت عین دائرے کی شکل میں اگلے علاقوں تک پھیلتی جائے گی، پہلے سب سے قریب والوں کو اپنے لپیٹ میں لے گی، پھر ان سے قریب والوں کو۔ پھر اگر وہ لوگ بھی ناکافی ہوں یا کوتاہی کریں تو فرضیت کا یہ دائرہ بتدریج آگے پھیلتا جائے گا یہاں تک کہ پوری زمین کے مسلمانوں کو اپنے لپیٹ میں لے لے گا“۔

پھر امام عبداللہ عزام رحمہ اللہ اپنے اس مؤقف کی دلیل میں مختلف اقوال پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”جب دشمن اسلامی سرزمین میں گھس آئے تو بلاشبہ اسے نکال کر باہر کرنا قریبی آبادیوں پر، اور اگر وہ نہ کر سکیں تو اس کے بعد والی قریبی آبادیوں پر فرض ہو جاتا ہے کیونکہ مسلمانوں کے تمام علاقوں کی حیثیت دراصل ایک ہی ”ملک“ کی سی ہے۔ ایسی حالت میں والد اور قرض خواہوں کی اجازت کے بغیر نکلنا فرض ہو جاتا ہے“۔

(الفتاوی الکبریٰ :۶۰۸/۴)

امام ابن عابدین شامی الحنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اگر دشمن کسی بھی اسلامی سرحد پر حملہ آور ہو جائے تو (وہاں بسنے والوں پر) جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ان کے قرب وجوار میں بسنے والوں پر بھی جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ البتہ جو لوگ ان سے پیچھے، دشمن سے فاصلے پر بستے ہوں، تو جب تک ان کی ضرورت نہ پڑ جائے، مثلاً: جس علاقے پر حملہ ہوا ہے اس کے قرب وجوار میں رہنے والے لوگ دشمن کے خلاف مزاحمت کرنے میں بے بس ہو جائیں، یا بے بس تو نہ ہوں لیکن اپنی سستی کی وجہ سے جہاد نہ کریں، تو ایسی حالت میں ان کے گرد بسنے والوں پر بھی جہاد، نماز اور روزے کی طرح ”فرضِ عین“ ہو جاتا ہے اور اسے ترک کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ پھر فرضیت کا یہ دائرہ اس کے بعد اور پھر اس کے بعد والوں تک حسب ضرورت پھیلتا جاتا ہے یہاں تک کہ اسی تدریج سے بڑھتے ہوئے ایک وقت مشرق ومغرب میں بسنے والے ہر مسلمان پر جہاد فرض ہو جاتا ہے“۔ (حاشية ابن عابدين: ۳/۲۳۸)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”پس اگر دشمن مسلمانوں پر حملے کا ارادہ کرے تو اسے دفع کرنا سب پر فرض ہو گا، اُن پر بھی جو حملے کا ہدف ہوں اور اُن پر بھی جو حملے کا ہدف نہ ہوں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ﴾ (الانفال:۷۲)

”اور وہ اگر دین کے معاملے میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا تم پر فرض ہے“۔

اور جیسا کہ نبی ﷺ نے بھی (کئی احادیث مبارکہ میں) مسلمانوں کی مدد کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ حکم سب کے لئے ہے، خواہ کوئی باقاعدہ تنخواہ دار فوجی ہو یا عام مسلمان، ہر ایک پر حسب استطاعت جان، مال سے دفاعی جہاد کرنا فرض ہے، چاہے (افراد اور اسلحہ کی) قلت ہو یا کثرت، سواری میسر ہو یا پیدل ہی نکلنا پڑے۔ بالکل اسی طرح جیسے غزوۂ خندق کے موقع پر جب دشمن نے مسلمانوں کا رُخ کیا تو اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت نہیں دی''۔ (مجموع الفتاویٰ: ۲۸/۳۵۸)

دلیل پیش کرنا شرط ہے:

دفاعی جہاد کی شروط فرضیت اور اس کا کن کن لوگوں پر اطلاق سے متعلق سلف و خلف کے علماء کے متفقہ فتاویٰ کا اگر جائزہ لیا جائے (جس کا تھوڑا سا مشاہدہ ہم نے ابھی کیا) تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ فقہاء کرام نے کفار کے حملہ آور ہونے کی صورت میں ہر مسلمان پر بغیر کسی شرط کے جہاد کو فرض عین قرار دیا۔ یہاں تک کہ جن لوگوں پر عام حالات میں جہاد فرض نہیں ہوتا مثلاً عورتیں، بچے، غلام، معذور سب کو دفاعی جہاد کی صورت میں اس فرض کی ادائیگی سے مستثنیٰ نہیں رکھا اور اس کے لئے کسی ایسی شرط کو بیان نہیں کیا کہ مسلمان اپنے علاقوں پر کفار کے حملہ آور ہونے کی صورت میں حکمران طبقے کی طرف سے اس فرضیت کی ادائیگی کا انتظار کریں (جبکہ آج حالات یہ ہوں کہ حکمران طبقہ ہر ایسے موقع پر جبکہ کفار مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ آور ہوں، ان کو ہر قسم کی عسکری و غیر عسکری سہولیات بہم پہنچانے کا فریضہ ادا کر رہے ہوں جیسا کہ امریکہ کی جانب سے افغانستان اور عراق پر حملہ کرنے کی صورت میں تمام کے تمام مسلم ممالک نے امریکہ اور نیٹو کا ہر ممکن ساتھ دیا اور حال ہی میں مالی پر چڑھائی کے لئے فرانس کو باقاعدہ عرب ممالک نے مالی اور لاجسٹک سہولیات فراہم کی۔ تو ایسے موقع پر حکمران طبقے سے یہ توقع رکھنا کہ وہ مسلمانوں کے دفاع کر فریضہ ادا کریں گے) اور جب تک یہ کام نہ ہو، ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں اور اپنے مسلمان بھائیوں کی گردنوں کو کافروں کے

سامنے پیش کرتے رہیں، اپنی ماؤں بہنوں کی عزت کو نیلام ہوتا دیکھتے رہیں۔ واللہ جو بھی ایسی شرط بیان کرتا ہے تو وہ دلیل پیش کرے ورنہ اس سے بڑھ کر کوئی بھی مسلمانوں کا بدخواہ اور کافروں کا ہمدرد نہیں۔

اس ضمن میں آخری بات یہ ہے کہ حافظ صاحب چونکہ طالبان افغانستان کے منہج کو درست سمجھتے ہیں اور اسی بنیاد پر انہوں نے اپنی کتاب کا انتساب ان کے نام کیا۔ سوال یہ ہے کہ افغانستان پر حملہ ہونے اور امارت اسلامیہ افغانستان کے سقوط کے بعد جب دوبارہ جہاد کا آغاز ہوا تو طالبان افغانستان کی جانب سے پوری دنیا کے مسلمانوں سے یہ اپیل کرنا کہ وہ افغانستان کے مسلمانوں کی ہر قسم کی مالی و جانی مدد فراہم کریں اور پھر دنیا بھر سے مسلمانوں کا افغانستان کا رخ کرنا اور طالبان افغانستان کے شانہ بشانہ ہو کر داد شجاعت دینا اور اس موقع پر طالبان افغانستان کا پوری دنیا سے آنے والے مسلمانوں کو خوش آمدید کہنا اور ان کو اپنے علاقوں میں واپس جانے کی ہدایت نہ کرنا چہ معنی دارد......؟؟

کیا طالبانِ افغانستان کا منہج درست نہیں یا حافظ صاحب کو واقعتاً شدید قسم کا ذہنی و عقلی مغالطہ لاحق ہو گیا ہے کہ وہ اس قسم کے نظریات کا پرچار کر رہے ہیں......!!

آخر میں ہم دلیل قاطع کے طور پر اُس فتوے کا اقتباس پیش کر دیتے ہیں جو کہ نائن الیون کے بعد افغانستان پر امریکہ کے ممکنہ حملے کے پیش نظر افغانستان کے سولہ سو (۱۶۰۰) علماء نے امارات اسلامیہ افغانستان کے استفتاء پر ۲۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو جاری کیا تھا۔ جس سے ان شاء اللہ امید ہے حافظ صاحب کا ذہنی و عقلی خلجان دور ہو جائے گا۔ فتوے کا اقتباس درج ذیل ہے:

> ”اگر کفار کسی اسلامی ملک پر تجاوز کریں اور وہ ملک اکیلا مقابلے کی طاقت نہ رکھے، تو عالم اسلام کے مسلمانوں پر جہاد فرض عین بنتا ہے۔ ردالمختار میں آیا ہے کہ ابوالحسن الکرخی نے اپنے مختصر دلیل میں فرمایا کہ مسلمانوں کے لئے مناسب نہیں ہے کہ ان ان سرحدوں میں سے جہاں کافروں سے مزاحمت ہو رہی ہو، انہیں خالی کروا دیں، اور اگر ان سرحدات کے مسلمان کفار کی دفاع میں کمزور پڑ جائیں تو اُن مسلمانوں پر جو ان کے قریب ہیں، فرض ہے کہ ان کے تعاون کے لئے آگے بڑھیں اور اگر وہ بھی کمزور ہو جائیں تو اس سے قریب دیگر

مسلمانوں پر فرض ہے، اسی طرح الاقرب فالاقرب ان پر لازم ہے جہاد کو جاری رکھنے کے لئے مجاہدین کا تعاون کریں۔ یہ مضمون محیط میں بھی موجود ہے“۔

(http://im41.gulfup.com/zxs0o.png)

{عملی مسائل}

پہلا عملی مسئلہ

القاعدۃ کے سب سے بڑے مددگار طالبان افغانستان کا کیا حکم ہو گا......؟؟

حافظ صاحب ؔ نے اپنی کتاب کا انتساب طالبان افغانستان کے نام کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

{"طالبانِ افغانستان اور ہر اس تحریک کے نام جو نظام عدل و قسط کے قیام اور خلافت اسلامیہ کی بحالی کے لئے مصالح و حِکَم (Foresight and Public Interest) کا لحاظ کرتے ہوئے جدوجہد کر رہی ہے"۔

لیکن اس کے ساتھ حافظ صاحب ؔ کے نزدیک القاعدۃ الجہاد کی تحریک دراصل "تکفیر کی تحریک" ہے اور اس کے جتنے بھی رہنما ہیں وہ جذباتی نوجوان ہیں یا پھر غیر معروف علماء۔ جیسا کہ حافظ صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"یہ بات بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ "تکفیر کی تحریک" کے جتنے بھی قائدین ہیں وہ جذباتی نوجوان ہیں یا پھر غیر معروف علماء۔ مثلاً محمد المسعری ایک میڈیکل ڈاکٹر، سعد الفقیہ فزکس میں پی ایچ ڈی، ایمن الظواہری سرجری میں ایم اے اور اسامہ بن لادن رحمہ اللہ سعودی نظام تعلیم کے ثانوی [ایف اے] پاس جبکہ سید قطب رحمہ اللہ ایک ادیب ہیں"۔} (صفحہ نمبر:۱۷)

پھر حافظ صاحب ؔ نے اپنے اس مؤقف کی تائید میں القاعدۃ الجہاد اور خاص کر اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کے بارے ان سعودی علماء کے فتاویٰ نقل کئے، جو کہ حافظ صاحب ؔ کے نزدیک اس وقت سب سے زیادہ قابل اتباع ہیں۔ (دیکھئے صفحہ نمبر ۱۷)، جنھوں نے اس تحریک کو اور اس کے قاعدین کو نہ صرف گمراہ، شر اور فساد کی جڑ قرار دیا بلکہ ان کو سیدھا سیدھا "خوارج" کی صف میں کھڑا کر کے خارجیوں کا

''سرغنہ'' بنادیا اور مسلمانوں کو ان سے دور رہنے اور ان کی ہر قسم کی مدد و نصرت سے دور رہنے کا مشورہ دیا ہے۔

شیخ بن باز رحمہ اللہ اپنے فتوے میں کہتے ہیں:
{''مسعری، فقیہ اور لادن اور جو شخص ان کے رستے کو اختیار کرے، اس کو میری نصیحت یہ ہے کہ وہ اس گندے راستے کو چھوڑ دیں''۔} (صفحہ نمبر:۱۳)

شیخ صالح العثیمن رحمہ اللہ کہتے ہیں:
{''(ان لوگوں کی طرف سے) ایسی نشریات کا پھیلانا یا انہیں عوام الناس کے مابین عام کرنا جائز نہیں ہے اور جو شخص بھی ایسی نشریات دیکھے وہ انہیں پھاڑ دے یا پانی میں بہادے کیونکہ یہ فتنے، شر اور انتشار کا سبب بنتی ہیں ''۔} (صفحہ نمبر:۱۳)

{شیخ صالح الفوزان سے شیخ اسامہ رحمہ اللہ کے بارے میں ایک سوال پوچھنے والے کی جانب یہ سوال پوچھنے پر کہ:
''کیا ہمارے لئے یہ جائز ہے کہ ہم ان کو خوارج میں شمار کریں خاص طور پر اس وجہ سے کہ وہ ہمارے ملک (سعودی عرب) اور اس کے علاوہ مسلمان ممالک میں خودکش دھماکوں کی تائید کرتے ہیں''۔
اس پر شیخ صالح الفوزان نے جواب دیتے ہوئے کہا:
''جس کا بھی یہ فکر ہو اور جو بھی اس فکر کا داعی ہو اور اس کی لوگوں کو ترغیب دے تو وہ ''خوارج'' میں سے ہے، چاہے اس کا نام یا اس کا مقام کچھ بھی ہو''۔} (صفحہ نمبر:۱۵)

شیخ عبدالعزیز آل شیخ، اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کے بارے میں کہتے ہیں:
''بھائیو! یہ لوگ شر و فساد کی جڑ ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ گمراہ ہیں''۔
(صفحہ نمبر:۱۵)

{شیخ صالح اللحیدان، اسامہ بن لادن رحمہ اللہ اور القاعدۃ کے بارے میں کہتے ہیں:
”اس میں کوئی شک نہیں کہ اس تنظیم میں کوئی خیر نہیں ہے اور نہ ہی یہ اصلاح و فلاح کے رستے پر ہے“۔} (صفحہ نمبر:۱۵)

چناچہ کتاب کے انتساب اور اس کے ساتھ مندرجہ بالا فتاویٰ نقل کرنے سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ ایک طرف حافظ صاحب آپنے اس مؤقف کی تائید میں کہ، القاعدۃ الجہاد کا منہج و فکر صحیح نہیں بلکہ یہ منہج تکفیری اور خارجی افکار پر مبنی ہے، سعودی حکمرانوں کے منظور نظر علماء کے فتاویٰ نقل کر رہے ہیں، جس کے مطابق القاعدۃ اور اس کی قیادت ”خوارج“ میں سے ہے۔ لیکن دوسری طرف طالبانِ افغانستان کے منہج کو قابل تقلید قرار دے رہیں کہ جنہوں نے ان ”خارجیوں“ کو نہ صرف پناہ دی بلکہ اپنے علاقے میں عسکری تربیت کے لئے کیمپ بھی مہیا کئے، یہاں تک امریکہ پر نائن الیون کے حملے ہوئے تو امریکہ نے خارجیوں کے سرغنہ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کو حوالے کرنے کا مطالبہ کیا جسے ملا عمر حفظہ اللہ نے یکسر مسترد کر دیا۔ اپنے ایک بیان میں ملا عمر حفظہ اللہ نے فرمایا:

”تمام حکومتیں ہمارے مقابلے پر آئیں تو بھی دنیا کی کوئی طاقت ہمیں اسامہ کو حوالے کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔ شیخ اسامہ ہمارے مہمان ہیں، انہیں ہم کسی دباؤ یا لالچ پر کسی کے بھی حوالے نہیں کر سکتے، کوئی بھی غیرت مند مسلمان کسی مسلمان کو کسی کافر کے حوالے نہیں کر سکتا۔ ہم اسامہ کی حفاظت آخر دم تک کریں گے اور ضرورت پڑی تو ان کی حفاظت اپنے خون سے کریں گے“۔ (بحوالہ نوائے افغان، جون، جولائی 2011ء، شمارہ خاص)

اسی اکتوبر ۱۹۹۹ میں اقوام متحدہ نے شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کو حوالے نہ کئے جانے پر اقتصادی پابندیاں لگانے کا اعلان کیا تو اس موقع پر بی بی سی نے ان کا ایک انٹرویو لیا۔ بی بی سے کے نمائندے نے ملا عمر حفظہ اللہ سے سوال کیا کہ:

”طالبان اتنی کامیابیوں کے باوجود ایک شخص کی وجہ سے پورے ملک کو خطرے میں ڈال رہے ہیں تو کیا یہ مناسب ہو گا؟

ملا عمر حفظہ اللہ نے فرمایا:

"یہ ایسی بات نہیں جو دائرہ اسلام سے باہر ہو اور ہم اس پر مصر ہوں، یا ہم ذاتی خواہش کی بناء پر یہ کام کر رہے ہوں بلکہ یہ قانون اسلامی ہے۔ اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم اس مطالبے کو مان لیں اور نہ ہی دین اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ہم کسی مسلمان کو کفار کے سپرد کر دیں"۔ (بحوالہ نوائے افغان، جون، جولائی 2011ء، شمارہ خاص)

نائن الیون کے بعد جب پاکستانی علماء کا وفد مسئلہ کا حل نکالنے کے لئے ملا عمر حفظہ اللہ سے ملاقات کے لئے گیا۔ شیخ الحدیث اکوڑہ خٹک استاذ العلماء مولانا شیر علی شاہ حفظہ اللہ بھی اس وفد میں شامل تھے۔ انہوں اپنے ایک بیان میں ملا عمر حفظہ اللہ کے جو جو تاریخ ساز الفاظ نقل کئے وہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں:

"میں اسامہ کے بارے میں دعائیں مانگتا ہوں کہ مولا! اس کی زندگی کو دراز فرما، میں تمام رات روتا ہوں کہ مدینہ منورہ سے جو آدمی جہاد کے لئے آیا ہے، میں اس کو کفار کے کیسے حوالے کر دوں؟"

سعودی شہزادے ترکی الفیصل کو ایک موقع پر کہا تھا:

"جب تک ہمارے جسم میں خون کا آخری قطرہ باقی ہے، ہم شیخ اسامہ کی حفاظت کریں گے، خواہ افغانستان کے سارے گھر تباہ ہو جائیں، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں اور لوہا پگھل جائے، پھر بھی ہم اسامہ کو حوالے نہیں کریں گے"۔

(بحوالہ نوائے افغان، جون، جولائی 2011ء، شمارہ خاص)

اور حقیقتاً ہوا بھی یہی کہ امریکہ نے افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور ایک ایسا شخص جو کہ حافظ صاحب کے نزدیک خارجی اور گمراہ تھا، اس کی خاطر ملا عمر نے پوری امارت اسلامیہ افغانستان کو قربان کر دیا۔

حافظ صاحب سے اس سلسلے میں سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ طالبانِ افغانستان کے جانب سے ان خارجیوں کو پناہ دینا، ان کو عسکری کیمپ مہیا کرنا، کیا طالبانِ افغانستان کے صحیح منہج پر ہونے کی علامت ہے؟ اور کیا کسی گمراہ شخص کی گمراہی میں برضا ورغبت ساتھ دینا اور ان کو تحفظ فراہم کرنا، خود اُس کے گمراہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا؟

حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ دو دہائیوں میں القاعدۃ اور طالبان افغانستان کا جو آپس میں اشتراک عمل رہا ہے وہ کسی سے بھی پوشیدہ نہیں چاہے وہ امارت اسلامیہ افغانستان کے قیام کے وقت ہو یا اس کے سقوط کے بعد، اس کے دوبارہ احیاء کے لئے امریکہ کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ کی داغ بیل ڈالتے وقت، اور یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔

ملا عمر حفظہ اللہ کے دست راست اور طالبان شوریٰ کے سینئر کمانڈر، امارت کے دور میں قندھار کے گورنر ملا حسن رحمانی حفظہ اللہ الجزیرۃ ٹی وی کو شیخ اسامہ رحمہ اللہ کی زندگی میں انٹرویو دیتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''شیخ اسامہ بن لادن بخیر وعافیت ہیں اور ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ان کی حفاظت اور نگرانی کرے اور امت کے دشمنوں کو ان تک پہنچنے میں ناکام ونامراد کرے''۔

شیخ اسامہ رحمہ اللہ کی شہادت پر امارت اسلامی افغانستان کی سپریم کونسل نے ایک بیان جاری کیا جو کہ امارت کی ویب سائٹ پر نشر ہوا۔ اس کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

> ''امارت اسلامیہ افغانستان شیخ اسامہ رحمہ اللہ کی شہادت کے موقع پر اُن کے خاندان، ہم سفر ساتھیوں، مجاہدین فی سبیل اللہ اور مسلم امہ کو ہمت و حوصلہ کی نصیحت کرتی ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے ''عظیم شیخ'' کی قربانی کو قبول فرما کر ان کے مبارک جہاد اور شہادت کی برکت سے امت مسلمہ کو حالات کی موجودہ تنگی سے نجات عطا فرما دیں......جہاد کا راستہ اور دین اسلام کے دفاع کا راستہ، قربانیوں اور شہادتوں کا راستہ ہے اور شہید اسامہ رحمہ اللہ اس راہ کے ہر راہی کی طرح اپنی ابتدائی جہادی زندگی سے ہی اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت کے آرزو

مند تھے، اور انہوں نے اپنی یہ آرزو زندگی کے آخری لمحات میں نہایت بہادری و شجاعت سے کفر کا مقابلہ کرتے ہوئے پالی.....امارت اسلامیہ کا یقین ہے کہ تحریک جہاد کے اس نازک موڑ پر شیخ اسامہ رحمہ اللہ کی شہادت صلیبی فوجیوں کے خلاف جہاد میں نئی روح پھونک دے گی، جہاد کی لہریں بلند سے بلند تر ہو کر طوفان کی شکل اختیار کر لیں گی اور آنے والے دنوں میں دشمن پر پوری طرح واضح ہو جائے گا کہ جنگ مجاہدین ہی جیت رہے ہیں۔ ان شاء اللہ“۔

پاکستانی سیکورٹی اداروں کی قید میں بند، امارت اسلامی افغانستان کے شعبۂ ثقافت کے سابق مسئول اور مشہور عالم دین، فاضل مدینہ یونیورسٹی استاد یاسر فک اللہ اسرہٗ نے ادارہ حطین کو ایک انٹرویو دیا جس میں یہ سوال کیا گیا کہ:

”آپ طالبان اور القاعدۃ کے آپس کے تعلقات کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟“

تو استاد یاسر فک اللہ اسرہٗ جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

”القاعدۃ اور طالبان کے آپس کے تعلقات اسلامی بھائی چارے، ہجرت، نصرت اور جہاد پر قائم تعلقات ہیں۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ القاعدۃ تو تحریک طالبان افغانستان کے قیام سے پہلے ہی جہاد میں مصروف تھی۔ طالبان کی شیخ اسامہ اوران کے ساتھیوں سے کوئی پرانی معرفت نہیں تھی اور نہ ان کے درمیان پہلے سے کوئی سیاسی تعلقات تھے اور نہ ہی آپس میں کوئی قریبی تعلق لیکن طالبان جب فتح سے ہمکنار ہوئے اور حکومت سنبھالی تو انہوں نے القاعدۃ کے معاملے میں محض شریعت کے حکم کو سامنے رکھا۔ ان کے سامنے یہ غریب الدیار لوگ تھے جو کہ مجاہد بھی تھے اور مہاجر بھی اور ہماری زمین پر رہتے بھی تھے۔ پس ان کا اسلامی حق بنتا تھا کہ ان کو پناہ دی جائے، ان کی نصرت کی جائے اور ان کا دفاع کیا جائے۔ تو طالبان اسی سوچ کی بناء پر القاعدۃ کی نصرت کے لئے کھڑے ہو گئے اور اس تعلق کے نتیجے میں ہر نقصان اٹھانے کے لئے تیار رہے اور الحمد للہ یہ تعلقات آج بھی قائم ہیں۔

طالبان کی قیادت کو بہت سے پیشکشیں کی گئی ہیں کہ آپ القاعدۃ کے ساتھ تعلق کے مسئلے میں کچھ پیچھے ہٹنے پر تیار ہوں لیکن طالبان قیادت نے ایسی کوئی پیش کش قبول نہیں کی اور وہ ابھی تک اس بات پر قائم ہیں کہ القاعدۃ والے ہمارے بھائی ہیں۔ طالبان نے نہ صرف اپنی امارت کے دور میں القاعدۃ کا ساتھ دینے کی قیمت ادا کی بلکہ وہ آج بھی ان کی نصرت کی خاطر قربانیاں دے رہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اُن کو اس پر استقامت دے اور اس مرحلے کا اختتام بھی خیر و بھلائی پر فرمائے۔ آمین!“

یہی وجہ ہے کہ امریکہ جب بھی طالبانِ افغانستان سے مذاکرات کی بات کرتا ہے تو وہ القاعدۃ سے اعلان برأت کا مطالبہ سب سے پہلے رکھتا ہے۔ بس جو شخص القاعدۃ کے منہج کو تو خارجی منہج قرار دے لیکن اس کی سب سے زیادہ معاونت کرنے والے طالبان افغانستان کے منہج کو بالکل صحیح قرار دے، تو یہ بات دراصل اس شخص کے ناقص العقل ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے......!!

دوسرا عملی مسئلہ

کیا طالبان افغانستان کو القاعدۃ کا ساتھ دینے پر مصالح و حِکَم کا لحاظ کرنے والا قرار دیا جا سکتا ہے......؟؟

حافظ صاحب نے طالبان افغانستان کو مصالح و حِکَم (Foresight and Public Interest) کا لحاظ کرنے والا قرار دیا۔ سوال یہ ہے کہ ایک گمراہ، شر و فساد کی جڑ اور خارجیوں کے سرغنہ شخص کو پناہ دینے کی خاطر طالبانِ افغانستان کی جانب سے خلافت اسلامیہ کے نومولود پودے کو اکھڑوانا، ہزاروں افغانی مسلمان شہید کروانا، ہزاروں ہی قید و بند کی اذیت میں مبتلا کرنا اور ہزاروں ہی مسلمان عورتوں کی عزت کو اس عمل کی وجہ سے بٹہ لگوانا کیا مصالح و حِکَم (Foresight and Public Interest) قرار پائے گا؟ کیا طالبانِ افغانستان کا یہ عمل مسلمانوں کی سب سے بڑی بدخواہی نہیں کہلائے گا؟

حقیقت یہ ہے کہ جو شخص القاعدۃ اور اس کے قائدین کو گمراہ اور خارجی سمجھے لیکن دوسری طرف ان کی برضا و رغبت مدد و نصرت کرنے والے طالبان افغانستان کو مصالح و حِکَم کا لحاظ کرنے والا قرار دے، تو یہ اس شخص کے علم و حکمت سے عاری ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے!!

تیسرا عملی مسئلہ

کیا طالبان افغانستان کو معروف سلفی علماء کی حمایت حاصل ہے......؟؟

حافظ صاحب نے سعودی سلفی علماء سمیت دیگر علماء کے فتاوی کو القاعدۃ کے منہج و فکر کے خلاف حجت کے طور پر نقل کیا ہے۔ لیکن ایک حقیقت کو حافظ صاحب بڑی مہارت کے ساتھ چھپا گئے، وہ یہ کہ ان علماء میں سے تو بعض طالبانِ افغانستان کے منہج کو بھی صحیح نہیں سمجھتے تھے اور ان میں سے بعض نے نائن الیون کے حملوں کے بعد اپنے فتاویٰ میں القاعدۃ سے تعلق اور شیخ اسامہ کو پناہ دینے کی بناء پر طالبان کی جابجانہ صرف مذمت کی بلکہ عالمی برادری کے حق بجانب ہونے پر فتاویٰ بھی جاری کئے۔

سعودیہ کی اعلیٰ فیصلہ ساز کمیٹی کے سربراہ الشیخ صالح اللحیدان (جن کا فتویٰ اوپر نقل ہوا) کا بتاریخ ۱۔۷۔۱۴۲۲ھ کا فتویٰ ہے، جس میں اُنہوں نے کہا:

''الاحسان الی الآخرین أی الأمریکن ونصرة المظلوم .أی افغان۔ بالحق لا بالظالم من أعظم أسباب تقلص الاحرام''

”دوسروں یعنی امریکیوں کے ساتھ احسان (نیکی) کرنا اور مظلوم یعنی امریکا کی مدد کرنا اور ظالم یعنی افغانوں کو حق کے ساتھ نہ کہ ظلم کے ساتھ، مغلوب کرنا جرائم کے قلع قمع کرنے کا سب سے بڑا سبب ہے“۔(حقیقۃ الحرب الصلیبیۃ الجدیدۃ۔ للشیخ یوسف العییری ؒص:۷۹)

اور یہ بات ظاہر ہے کہ وہ کون سے افغان تھے کہ جنہوں نے امریکہ پر حملے میں القاعدۃ کا ساتھ دیا سوائے طالبانِ افغانستان کے۔

شیخ الازہر (مصر) محمد سیّد طنطاوی کے بتاریخ یکم رجب ۱۴۲۲ھ کو صادر ہونے والے فتوے میں امریکہ کی طرف سے افغانستان پر متوقع حملے کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے کہا کہ:

"ہر ملک کو حق حاصل ہے کہ وہ اُس پر حملہ کرنے والے (ملک) سے اپنا دفاع کرے۔ اور بلاشبہ اسلام تو ظلم کے ساتھ سرکش حملہ آور، ظلم اور دہشت گردی کے خلاف کھڑا ہوتا ہے۔ لہٰذا، جس ملک پر بھی حملہ ہوا، تو ہم مسلمان ہونے کے ناطے اُس کے ساتھ کھڑے ہوں گے کہ جس پر حملہ ہوا۔ اِس سے قطع نظر کہ وہ امریکہ یا اُس کے علاوہ کوئی ملک ہو"۔
(حقيقة الحرب الصليبية الجديدة۔ للشيخ يوسف العييريؒ ص:۷۹)

اس فتوے کے مطابق سرکش حملہ آور، ظالم اور دہشت گردی میں معاون کون ثابت ہوتا ہے؟ ظاہر سی بات ہے طالبانِ افغانستان۔

مفتی سماحۃ الشیخ عبد العزیز آل شیخ کا فتویٰ ہے۔ جس میں اُنہوں نے کہا:
"ان التفجيرات التى وقعت فى الولايات المتحده وما كان من جنسها من خطف الطائرات ، أو ترويح الآمنين ، أوقتل أنفس بغير حق ، ما هى الا ضرب من الظلم والجور والبغى ، وأن مثل هذه التصرفات محرم ومن كبائر الذنوب"
"بلاشبہ ریاستہائے متحدہ امریکا میں ہونے والے دھماکے اور اُس سے تعلق رکھنے والے دوسرے کام جیسے طیّاروں کا اغواء یا پر امن لوگوں کو خوفزدہ کرنا یا لوگوں کا ناحق قتل کرنا، یہ سب صرف اور صرف ظلم وجبر اور سرکشی کی مثالیں ہی ہیں۔ اور اس طرح کے تصرفات تو حرام اور کبیرہ گناہ ہیں"۔ (حقيقة الحرب الصليبية الجديدة۔ للشيخ يوسف العييريؒ ص:۸۰)

اور انہوں نے تاکیداً کہا کہ:
"أن ما جرى فى نيويورك وواشنطن من احداث خطيرة راحت بسببها الآف الانفس ، من الاعمال التى لا تقرها شريعة الاسلام ، و لست من هذا الدين ، ولا تتوافق مع أصوله الشرعية"

"بلاشبہ جو خطرناک حادثے نیویارک اور واشنگٹن میں ہوئے کہ جن کے نتیجے میں ہزاروں جانیں ضائع ہوئیں۔ یہ ایسے کام ہیں کہ جنہیں شریعتِ اسلامی تسلیم نہیں کرتی اور نہ یہ اس دین کا حصّہ ہیں اور نہ ہی یہ اُس کے شرعی اُصولوں سے موافقت رکھتے ہیں"۔

(حقيقة الحرب الصليبية الجديدة۔ للشيخ يوسف العييري ؒص:۸۰)

غور کرنے کا مقام ہے کہ کیا ان فتاویٰ کی روسے لوگوں کو ناحق قتل کرنے، ظلم وجبر اور سرکشی میں میں برضا ورغبت القاعدۃ کے ساتھ تعاون کرنے والے طالبانِ افغانستان کے منہج کو مصالح و حِکَم کا لحاظ کرنے والا قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیا اس بنیاد پر ان کا بھی منہج القاعدۃ کی طرح کالعدم قرار نہیں پائے گا۔

شریعت میں مسئلہ بالکل واضح ہے کہ کسی بھی جرم مثلاً قتل میں ملوث تمام افراد کو اس جرم میں برابر کا شریک سمجھا جاتا ہے۔ چاہے عملی اعتبار سے اس جرم میں ملوث لوگوں کے تعاون کی نوعیت مختلف ہو (جیسا کہ ہم پچھلے صفحات میں یہ بات سمجھ کر آچکے ہیں)۔

لہٰذا جو شخص درج بالا فتاویٰ کو نقل کرنے کے بعد وہ القاعدۃ الجہاد اور اس کے قاعدین کو خارجی، تکفیری، گمراہ اور شر وفتنہ سمجھے مگر ان کے اعوان وانصار طالبان افغانستان کے منہج کو درست قرار دے کر اس کو اختیار کرنے کی دعوت دے تو یہ اُس شخص کے مخبوط الحواس ہونے کی واضح علامت ہے!! لہٰذا مسلمانوں کو ایسے شخص کے فتنے سے حتی الامکان دور رہنا چاہیے!!

چوتھا عملی مسئلہ

کیا شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کو اہل علم طبقے کی ذرہ برابر حمایت حاصل نہیں تھی......؟؟

حافظ صاحب نے اپنی کتاب میں سعودی حکمرانوں کے ہر دلعزیز علماء کے فتاویٰ کو نقل کرنے کے بعد یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کو اہل علم کی ذرہ برابر بھی حمایت حاصل نہیں تھی۔ جیسا کہ حافظ صاحب لکھتے ہیں:

{”ان فتاویٰ کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کی مسلمان حکمرانوں کی تکفیر اور ان کے خلاف خروج کی تحریک کو سلفی اہل علم کے طبقے میں ذرہ برابر بھی اہمیت حاصل نہیں ہے“۔} (صفحہ نمبر:١٦)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

{”یہ بات بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ ”تکفیر کی تحریک“ کے جتنے بھی قائدین ہیں وہ جذباتی نوجوان ہیں یا پھر غیر معروف علماء“۔} (صفحہ نمبر:١٧)

چناچہ حافظ صاحب اس قسم کے کلام سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اولاً القاعدۃ اور شیخ اسامہ رحمہ اللہ کو اہل علم حضرات خصوصاً سلفی علماء کی ذرہ برابر حمایت حاصل نہیں اور دوم یہ کہ جو لوگ حمایت کرتے بھی ہیں تو وہ غیر معروف علماء ہیں جیسا کہ درج بالا کلام کے حاشیہ میں حافظ صاحب نے ابو بصیر الطرطوسی حفظہ اللہ کی مثال دی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو شخص گزشتہ دو دہائیوں پر مشتمل شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کے کردار کی تاریخ کو جانتا ہوں، اُس سے یہ بات مخفی نہیں کہ جہاں علماء کے ایک طبقے نے ان پر شدید تنقید کی، وہیں

سلفی و حنفی علماء کی کثیر تعداد نے شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کے مؤقف کی کھل کر تائید کی۔ جن میں شیخ حمود عقلاء الشعیبی رحمہ اللہ (سعودی عرب)، شیخ ابو محمد عاصم المقدسی حفظہ اللہ (اردن)، شیخ حامد العلی الکویتی حفظہ اللہ اور مفتی نظام الدین شامزئی شہید، سلفی عالم دین شیخ امین اللہ پشاوری حفظہ اللہ مولانا عبداللہ غازی شہید (خطیب لال مسجد) رحمہم اللہ سرفہرست ہیں۔

مفتی نظام الدین رحمہ اللہ وہ سب سے نمایاں عالم ربانی ہیں جنہوں نے شروع دن سے شیخ اسامہ رحمہ اللہ کی کھل کر حمایت کی تھی اور اپنی شہادت تک وہ اس پر قائم رہے۔ شیخ اسامہ رحمہ اللہ سے جب سوال کیا گیا کہ آپ کی حمایت کون کون سے علماء کرتے ہیں تو شیخ اسامہ رحمہ اللہ نے جن علماء کے نام شمار کرائے ان میں سرفہرست مفتی نظام الدین رحمہ اللہ ہی تھے۔

۱۹۹۸ء میں امریکی صدر کلنٹن کے دور میں جب افغانستان پر القاعدۃ کے کیمپوں پر کروز میزائلوں کی بارش کی گئی تاکہ شیخ اسامہ رحمہ اللہ کو نشانہ بنایا جاسکے لیکن امریکہ اس پر ناکام رہا۔ اس موقع پر مفتی نظام الدین رحمہ اللہ نے جو طویل فتویٰ جاری کیا وہ آج امت مسلمہ اور بالخصوص اہلیان پاکستان کو اپنا فریضہ یاد دلا رہا ہے:

”اسامہ بن لادن کو گرفتار کیا گیا یا ان کو نقصان پہنچایا گیا تو جتنی ملکی یا غیر ملکی حکومتیں یا دیگر قوتیں اس عمل میں شریک ہوں گی شرعاً ان کے خلاف جہاد فرض ہوگا، کیوں کہ شیخ اسامہ بن لادن اس وقت دنیا میں جہاد اور غلبۂ اسلام کے علمبردار ہیں اور اپنا تن من دھن غلبۂ اسلام کے لئے قربان کر چکے ہیں اور غلبۂ اسلام ہی کے لئے اپنی پرتعیش زندگی ترک کر کے قربانی اور مشقت کی زندگی برداشت کر رہے ہیں، ظاہر ہے کہ شیخ اسامہ بن لادن کی گرفتاری پاکستانی گورنمنٹ اور ایجنسیوں کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں ہے، لہٰذا ان کو گرفتار کیا جاتا ہے تو یہ صرف پاکستان کے تعاون سے ہوگا، لہٰذا اس صورت میں فتویٰ دیتا ہوں کہ شرعاً مسلمانوں پر خصوصاً پاکستانی مسلمانوں پر موجودہ حکومت کے خلاف جہاد کرنا فرض ہوگا......اب اللہ کے فضل و کرم سے مسلمان نوجوانوں میں جو جذبۂ جہاد پیدا ہو رہا ہے

اس میں جہاد افغانستان کے علاوہ شیخ اسامہ کی محنتوں کو بھی دخل ہے۔ لہٰذا اگر شیخ کے وجود کو نقصان پہنچتا ہے تو پاکستانی حکومت لازماً اس میں شریک ہوں گی، کیوں کہ امریکا اور یہودی کمانڈوز براستہ پاکستان اس آپریشن کو پایۂ تکمیل تک پہچانا چاہتے ہیں، لہٰذا اس صورت میں اگر خدانخواستہ ایسا ہو تو پاکستان کے مسلمان عوام پر اس عمل کو روکنے کے لئے جہاد فرض ہو گا...... فقط

(ڈاکٹر مفتی) نظام الدین شامزئی

امیر مجلسِ تعاون اسلامی پاکستان از بستر علالت

(بحوالہ نوائے افغان، جون، جولائی 2011ء، شمارہ خاص)

شیخ حمود عقلاء الشعیبی رحمہ اللہ نے شیخ اسامہ رحمہ اللہ کے بارے میں فرمایا تھا:

''ھو مجاھد مؤمن یقاتل علی منھج الکتاب والسنة بجذا فیر ھا''

''وہ مجاہد اور مومن ہے جو کتاب وسنت کے منہج پر قتال کر رہا ہے''۔

نامور سعودی عالم دین شیخ ناصر بن فہد حفظہ اللہ شیخ اسامہ رحمہ اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''فان الشیخ المجاهد أبا عبدالله اسامة بن لادن حفظه الله ونصره اجتمعت علیه الأمم من اقطارها، علی اختلاف أدیانهم، والوانهم، من صلیبین، ویهود، وهندوس، وبوذیین، ومنافقین، وخونة، وغیرهم، فی مشارق الارض ومغربها، بجمیع ما بأیدیهم مما بلغته علومهم، من الاسلحة، والطائرات، والاقمار الصناعیة، وأجهزة التجسس، والمراقبة، ومع ان صورته انتشرت فی الارض انتشار النار فی الهشیم، فصار یعرفه القاصی والدانی، والصغیر والکبیر، والمسلم والکافر، والرجل والمرأة، ومع هذا کله لم یعثروا له علی اثر، ولا وقفوا له علی خبر، ولا یدری تحت أی سماء هو؟! نسأل الله

سبحانه ان يحفظه منهم ، وأن ينصره عليهم ، وان يقر عيوننا بهزيمة أمريكا واحلافها“

”بے شک شیخ اسامہ (رحمہ اللہ) ، اللہ اس کی حفاظت کرے اور مدد فرمائے ، کہ ان کے گرد دنیا بھر کے ، مشرق و مغرب سے ، مختلف مذاہب اور رنگوں کے ، صلیبی ، یہودی ، عیسائی ، ہندو ، بدھ مت ، منافق اور خائن اکٹھے ہوگئے ہیں اور اس کے ساتھ انہوں نے اسلحہ ، طیارے ، سیٹیلائیٹ ، جاسوسی کے آلات بھی اکٹھے کر لئے ہیں۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ ان کافروں سے اُن کی حفاظت فرمائے اور امریکہ اور اس کے حلیفوں کی شکست سے ان کی آنکھیں ڈھنڈے کرے“۔

امارت اسلامی افغانستان کے شعبۂ ثقافت کے سابق مسئول اور مشہور عالم دین استاد یاسر فک اللہ اسرہٗ نے الجزیرۃ ٹی وی چینل کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا تھا:

”ہم لوگ سیاست سے کوئی بالکل ناواقف لوگ تو نہ تھے ، جب ہم نے شیخ اسامہ کی مدد کی۔ ہم جانتے تھے اس مدد کا نتیجہ کیا ہوگا۔ جب ہم نے ان کی مدد کی اور ان کی حمایت میں کھڑے ہوئے تو اس مدد کے نتیجے میں آنے والے ہر نقصان کے لئے ہم بالکل تیار تھے۔ شیخ اسامہ کی نصرت کا فیصلہ کسی سیاسی پالیسی کی وجہ سے نہیں کیا گیا تھا بلکہ ہم نے تو یہ نصرت دین کے احکامات میں سے ایک حکم پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے کی۔ ہم تو اسی بات پر ڈٹ گئے جو شریعت کا حکم تھا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے ، نہ تو اسے دشمن کے حوالے کرتا ہے اور نہ ہی اس کو اکیلا چھوڑتا ہے۔ ہمارے پاس کوئی دوسری بات کی چوائس تو نہ تھی کہ ہم انہیں امریکیوں کے حوالے کر دیں۔ وہ شخص جو ہمارے ساتھ مل کر اپنے جان و مال سے جہاد کر رہا ہے ، وہ جو ہمارے ساتھ مل کر روس کے خلاف بھی لڑ چکا ہے ، پھر کوئی دوسرا دشمن آئے اور اس کو ہم سے مانگے تو ہم اس کو دشمن کے حوالے کر دیں۔ نہیں! واللہ یہ تو نہ ہمارا دین ہے ، نہ وفا ہے اور نہ ہی کوئی غیرت کی بات ہے۔ ایک مجاہد کے نزدیک حکومت کی کیا حیثیت ہے؟ تو ہم اس فیصلے پر نہ تو نادم ہیں اور نہ ہی افسردہ بلکہ ہم تو معافی کے طلب

گار ہیں اپنے ان عرب مجاہد بھائیوں سے جو ہماری سر زمین پر ہماری ہی قوم کے بعض احمقوں کے ذریعے ستائے گئے"۔

مولانا عتیق الرحمن شہید، شیخ الحدیث جامعہ بنوری سائٹ کراچی، نے بھی شیخ اسامہ رحمہ اللہ کی زندگی ہی میں ان کے بارے میں تاثرات دیئے:

"شیخ اسامہ اپنی قربانی اور اخلاص کی بدولت عالم اسلام کی دل کی آواز بن چکے ہیں۔ وہ مجاہدین اسلام کے محبوب ترین راہ نما اور قائد ہیں۔ ان کا اللہ تعالیٰ کے ہاں جو مرتبہ اور مقام ہے...... اس کا اندازہ تو آنکھ بند ہونے کے بعد ہی ہو گا مگر دنیا میں بھی شیخ کی قد آور شخصیت نے اپنی مقبولیت کے جھنڈے گاڑ دیئے...... جو ان شاء اللہ، اللہ رب العزت کے یہاں بھی مقبولیت کا پیش خیمہ ہے"۔ (بحوالہ نوائے افغان، جون، جولائی 2011ء، شمارہ خاص)

سلفی مکتبۂ فکر کے معروف عالم دین شیخ امین اللہ پشاوری حفظہ اللہ شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کی شہادت پر کہتے ہیں:

"شیخ اسامہ رحمہ اللہ امت مسلمہ کا دھڑکتا ہوا دل تھا، انہوں نے دنیا بھر کے طواغیت کو للکارا اور خالص توحید پر عمل کر کے دکھایا۔ انہوں نے امت مسلمہ کو جہاد کے ذریعے عروج کے راستے سے روشناس کیا، آپ نے امریکہ کے خلاف ایسے وقت میں اعلان جہاد کیا جب پوری دنیا اُس کے رعب اور ہیبت سے کانپ رہی تھی...... لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے کو فراعین وقت کے سامنے سنتِ موسوی ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اللہ ان پر رحم فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین"۔

(بحوالہ نوائے افغان، جون، جولائی 2011ء، شمارہ خاص)

مولانا نور الہدیٰ حفظہ اللہ شیخ اسامہ رحمہ اللہ کی شہادت پر اپنے تاثرات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

”شیخ اسامہ اس دور کے عظیم مجاہد تھے، انہوں نے امریکہ کے خلاف زبردست جنگ لڑی، وہ اپنا کام مکمل کر چکے تھے۔ امریکہ افغانستان میں شکست کھا چکا ہے، شیخ رحمہ اللہ کی شہادت سے امریکہ کو کسی قسم کی فتح نہیں ہوئی۔ ہمیں شیخ رحمہ اللہ کی شہادت پر کوئی غم نہیں بلکہ شہادت تو ایک اعزاز ہے جو شیخ رحمہ اللہ کو ملا ہے، خوشی اس بات کی ہے وہ امریکہ کے ہاتھوں گرفتار نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے اُن سے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے“۔(بحوالہ نوائے افغان، جون، جولائی 2011ء، شمارہ خاص)

پاکستان کے نامور عالم دین، رویت ہلال کمیٹی کے سابق چیئرمین، عبد الرشید غازی رحمہ اللہ کے والد محترم مولانا عبد اللہ شہید رحمہ اللہ سابق خطیب لال مسجد جب ۱۹۹۸ء میں جب افغانستان میں شیخ اسامہ رحمہ اللہ سے ملاقات کے بعد واپس آئے تو انہوں نے خطبۂ جمعہ میں ان کی بھرپور حمایت کا اعلان کیا۔ چناچہ اس اعلانِ حق کی پاداش میں کچھ ہفتوں بعد ہی مولانا عبد اللہ شہید کر دیئے گئے۔ مولانا عبد اللہ نے شیخ اسامہ رحمہ اللہ کی شان میں یہ قصیدہ لکھا، اس کے چند اشعار پیش خدمت ہیں:

اسامة خير من ركب المطايا

اسامہ بہترین شہسوار ہیں

واشجع كل من شهد الحروبا

اور ان تمام لوگوں میں بہادر ہیں جو لڑائیوں میں حاضر ہوتے ہیں

هوالرجل المجاهد من سعودی

وہ ایک سعودی مجاہد ہیں

ومعتوب من امريكا عتوبا

جو امریکہ کی طرف سے سخت معتوب ہیں

وان اسامة شهم نبيل

دراصل اسامہ ایک عظیم سردار ہیں

عظيم الهم مضار لبيبا

بڑی ہمت والے اور کچھ کر گزرنے والے انسان ہیں

ازور اسامة رجلا جليلاً

میں اسامہ سے ملاقات کرتا ہوں، وہ ایک طاقتور اور بہادر شخص ہیں

وضيفا ماجدا رزق النصيبا

اور بزرگ مہمان ہیں اللہ نے اس کو عظمت عطا فرمائی ہے

وعبدالله مداح لعزمه

اور عبد اللہ اس کی عزم و ہمت کے مداح ہیں

و صديق له صديقا قريباً

ان کے دوست اور قریبی مخلص لوگ ہیں

(بحوالہ نوائے افغان، جون، جولائی 2011ء، شمارہ خاص)

شیخ اسامہ رحمہ اللہ کی جہاد کی پکار پر، چاہے وہ امریکہ کے خلاف ہو یا پھر مسلمان علاقوں پر مسلط اس کے مقامی طواغیت کے خلاف، ان کی نصرت و حمایت کے حوالے سے علمائے عرب و عجم کے درج بالا اقوال پڑھنے کے بعد جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ شیخ اسامہ رحمہ اللہ کو علمائے امت کی ”ذرہ برابر“ حمایت حاصل نہیں تھی یا پھر یہ کہے کہ القاعدۃ کے جتنے بھی قاعدین ہیں وہ یا تو جذباتی نوجوان ہیں یا پھر غیر معروف علماء، تو ایسا کہنے والے کے دماغی توازن پر تھوڑا شک ہونے لگتا ہے کہ کہیں وہ مخبوط الحواس شخص تو نہیں جو کہ سورج پر تھوکنے کی کوشش کر رہا ہے۔

شیخ حامد العلی الکویتی حفظہ اللہ سے شیخ اسامہ رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد پوچھا گیا کہ ”جو لوگ شیخ اسامہ رحمہ اللہ پر طعن کرتے ہیں، ان کی بابت آپ کیا کہیں گے“۔ تو انہوں نے اس کے جواب میں فرمایا:

''یہ کوئی نرالی بات نہیں ہے کہ بونے لوگ دیو قامت ہستیوں پر طعن کریں! یہ اُن کی دراز قامتیں دیکھ کر جھنجلا جاتے ہیں، کیونکہ وہ ہستیاں اس قدر دراز قامت ہیں ان کی نظروں سے افق تک کو چھپا دیتی ہیں۔ دونوں (شیخ رحمہ اللہ اور ان پر طعن کرنے والوں) کے مابین فرق اتنا ہے جتنا کہ عزت اور ذلت کے مابین، یا زندگی اور موت کے مابین، یا روشنی اور اندھیرے کے مابین''۔

پانچواں عملی مسئلہ

کیا حزب التحریر کا منہج قابل عمل ہے......؟؟

حافظ صاحب اپنی کتاب میں نفاذ شریعت کے لئے منہج اختیار کرنے کے باب میں کہتے ہیں:
{''خلافت کے قیام کے لئے کام کرنے والی تحریک 'حزب التحریر' نے جو منہج پیش کیا ہے وہ کسی قدر قابل عمل نظر آتا ہے...... ''}

حافظ صاحبؒ نے خلافت کے قیام کے لئے حزب التحریر کے منہج کو تو قابل عمل قرار دے دیا لیکن حزب التحریر کے منہج سے متعلق اُن ہی سعودی علماء کے فتاویٰ گول کر گئے جنہوں نے القاعدۃ کے منہج کو یکسر مسترد کر دیا تھا۔ چناچہ ان سعودی علماء نے واضح الفاظ میں حزب التحریر کے منہج کی بھی شدید الفاظ میں مذمت کی بلکہ ان کو قرآن و سنت کے طریقے سے ہٹا ہوا قرار دیا۔ ان سعودی علماء میں سے ایک شیخ البانی کا ایک فتویٰ پیش خدمت ہے۔ کسی سائل نے شیخ البانی سے حزب التحریر کے بارے میں دریافت کیا کہ:

''میں نے حزب التحریر کے بارے میں بہت پڑھا ہے اور مجھے ان کے افکار بہت اچھے لگتے ہیں۔ پس اے میرے شیخ! ہم چاہتے ہیں کہ آپ ان کا مختصر سا تعارف ہمارے سامنے بیان فرمادیں؟''

اسی طرح ایک اور سائل نے پوچھا کہ:
''اس موضوع پر کچھ کلام تو ہے مگر ہم آپ سے اس کی تفصیلی شرح چاہتے ہیں کہ حزب التحریر کے کیا اہداف و افکار ہیں اور ان کی کیا غلطیاں ہیں، آیا وہ غلطیاں عقیدے میں بگاڑ پیدا کرتی ہیں؟''

توجواباً شیخ البانی نے کہا کہ:

”میرا جواب ان دونوں سوالوں کے تعلق سے یہ ہے کہ کوئی بھی حزب (جماعت) میری مراد مختلف اسلامی احزاب، جماعتوں، گروہوں اور تنظیموں میں سے صرف حزب التحریر نہیں بلکہ ان جماعتوں میں سے کوئی بھی جماعت جن کی جماعتیں اور احزاب کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ اور ان دو مصادر پر مزید تیسری چیز منہج سلف و صالحین پر قائم نہ ہو تو بلاشبہ اس کا انجام خسارہ ہی ہے ، اگرچہ وہ اپنی دعوت میں کتنے ہی مخلص کیوں نہ ہوں۔۔۔ مگر افسوس ہے کہ اس سے تمام اسلامی جماعتیں غافل ہیں خصوصاً حزب التحریر کہ جو دوسرے فرقوں سے اس طور پر ممتاز ہے کہ وہ انسانی عقل کو جو اسلام نے حیثیت دی ہے اس سے بڑھ کر وزن دیتے ہیں۔۔۔ یہاں ایک نکتہ ہے جو ہم حزب التحریر کی دعوت کے تعلق سے بیان کریں گے کہ وہ طریق الایمان معتزلہ سے متاثر ہیں۔۔۔ یہ جانتا ہوں کہ حزب التحریر کے افکار میں سے یہ بھی ہے کہ ایک عورت اپنی مرضی سے جیسے چاہے گھومے پھرے اور انتخابات تک میں حصہ لے“۔

(http://www.urduvb.com/forum/showthread.php?t=23052)

چناچہ شیخ البانی کے درج بالا کلام سے یہ بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حافظ صاحب کس قدر ذہنی خلجان کا شکار ہیں کہ ایک طرف القاعدۃ کے منہج کو غلط ثابت کرنے کے لئے شیخ البانی کے فتاویٰ اپنی کتاب میں نقل کررہے ہیں تو دوسری طرف شیخ البانی نے ہی جس جماعت کو معتزلہ سے متاثر اور منہج سلف صالحین سے دور قرار دے رہیں، حافظ صاحب اسی جماعت کے منہج کو آج خلافت کے قیام کے لئے سب سے زیادہ قابل عمل قرار دے رہے ہیں۔ حافظ صاحب کے اس ذہنی خلجان پر تو ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ:

خرد کا نام جنوں رکھ دیا اور جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

☆☆☆☆☆

چھٹا عملی مسئلہ

کیا نفاذ شریعت کے لئے انتخابی منہج کو علماء کرام کی تائید حاصل ہے......؟؟

حافظ صاحب نے اپنی کتاب میں پاکستان میں نفاذ شریعت کے حوالے سے تین مناہج کا ذکر کیا ہے۔ اولؔ انتخابی سیاست، دومؔ خروج و قتال اور سومؔ تحریک و احتجاج۔

انتخابی سیاست کے حوالے سے ان کا مؤقف یہ ہے کہ ایک غلط نظام کی اصلاح کے لئے اُس نظام کا حصہ بن کر اس کی اصلاح کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح نفاذ شریعت کے لئے بھی انتخابی منہج کو اختیار کرنے کو وہ جائز سمجھتے ہیں بلکہ وہ مذہبی افراد کو نفاذ شریعت کے لئے اپنا ووٹ اسلامی جماعتوں کو دینے کی ترغیب دیتے ہیں۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

> {”ایک غلط نظام کی اصلاح کے لئے اُس نظام کا حصہ بن کر اس کی اصلاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اہل علم کے دو اقوال ہیں۔ ہمیں اس مسئلے میں اہل علم کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ ایک غلط نظام کی اصلاح کے لئے اس نظام میں شامل ہو کر اس کی اصلاح کی جاسکتی ہے......ہمارے خیال میں اس باطل سیاسی اور انتخابی نظام میں شمولیت کی اجازت صرف اسی صورت ہو سکتی ہے جبکہ کوئی بڑا شرعی مقصد مثلاً نظام عدل کا قیام کسی جماعت کی سیاست کا بنیادی منشور ہو......پس ہمارے خیال میں مذہبی افراد کو ہمیشہ اپنا ووٹ غلبہ اسلام کی داعی اسلام پسند اسلامی تحریکوں یا اشخاص کے حق میں کاسٹ کرنا چاہیے“۔}
>
> (صفحہ نمبر:۲۵۱،۲۵۲)

یہ بات تو کسی سے بھی مخفی نہیں کہ انتخابات (Election) کا منہج یا طریقہ دراصل مغرب کے عطا کردہ جمہوری نظام کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ گویا حافظ صاحب کا شمار بھی جدید مغربی اور دجالی

تہذیب سے مرعوب اور متاثرہ مفکرین اور دانشوروں میں ہوتا ہے جو کہ جمہوریت کو ”مشرف بہ اسلام“ کرنا چاہتے ہیں یا پھر وہ ”اسلامی جمہوریت“ جیسی مردود اور مفسد اصطلاحات کے قائل ہیں اور اسلام کے سیاسی نظام کو کسی بھی طرح جمہوریت کے سانچے میں ٹھوسنے کی کوشش کرتے ہیں یا ایسی کوششوں کے جواز کے قائل ہیں۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ بات بات پر آل سعود کے منظور نظر سلفی علماء کے فتاویٰ و اقوال کو آخری دلیل اور حجت تسلیم کرنے والے حافظ صاحب کو جمہوریت اور انتخابات کے حوالے سے ان علماء کے فتاویٰ اقوال یاد نہیں آئے۔ القاعدۃ کے منہج کو رد کرنے کے لئے تو انہوں ان علماء کے تو لمبے چوڑے فتاویٰ نقل کر دیئے لیکن جمہوریت اور انتخابات کے حوالے سے جو فتاویٰ ہیں ان کو سرسری طور پر نقل کرنا بھی گوارانہ کیا۔ وجہ اس کی بالکل واضح ہے کہ ان فتاویٰ کو نقل کرنے کی وجہ سے حافظ صاحب کے لئے پاکستان کے جمہوری طاغوتی نظام کا دفاع کرنا ممکن نہیں رہتا۔

طویل بحث و مباحثہ سے بچنے کے لئے ہم ان راسخون فی العلم علماء کے فتاویٰ نقل کرتے ہیں جو کہ فی نفسہٖ انتخابی سیاست کو نفاذ شریعت کے لئے اختیار کرنے کو کسی صورت جائز نہیں سمجھتے۔

مشہور سلفی عالم دین مولانا عبد الرحمان کیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”مغربی جمہوریت میں پانچ ارکان ایسے ہیں جو شرعاً ناجائز ہیں:

۱۔ خواتین سمیت تمام بالغوں کا حق رائے دہی (بالفاظ دیگر: سیاسی اور جنسی مساوات)

۲۔ ہر ایک کے ووٹ کی یکساں قیمت

۳۔ درخواست برائے نمائندگی اور اس کے جملہ لوازمات

۴۔ سیاسی پارٹیوں کا وجود

۵۔ کثرتِ رائے سے فیصلہ

ان ارکانِ خمسہ میں سے ایک رکن بھی حذف کر دیا جائے تو جمہوریت کی گاڑی ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتی ہے۔ جبکہ اسلامی نظام خلافت میں ان ارکان میں سے کسی ”ایک“

کو بھی گوارا نہیں کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا یہ دونوں نظام ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ایک دوسرے سے متصادم ہیں۔ یعنی نہ تو جمہوریت کو ''مشرف بہ اسلام'' کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی نظام خلافت میں جمہوریت کے مروجہ اصول شامل کرکے اس کے سادہ، فطری اور آسان طریق کار کو خوہ مخواہ ''مکدر اور مبہم'' بنایا جاسکتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جمہوریت ایک لادینی نظام ہے اور اس کے علمبردار مذہب سے بیزار تھے۔ جبکہ خلافت کی بنیاد ہی اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آخرت کے تصور پر ہے اور اس کے اپنانے والے انتہائی متقی اور بلند اخلاق تھے۔ ہمارے خیال میں جیسے دن اور رات یا اندھیرے اور روشنی میں سمجھوتہ ناممکن ہے، بالکل ایسے ہی دین اور لادینی یا خلافت یا جمہوریت میں بھی مفاہمت کی بات ناممکن ہے۔ لہٰذا اگر جمہوریت (یا اس کے اصولوں) کو بہر حال اختیار کرنا ہے تو اسے توحید ورسالت سے انکار کے بعد ہی اپنایا جاسکتا ہے''۔(خلافت وجمہوریت، ص:۲۱۶۔۲۱۸)

مشہور دیوبندی عالم دین اور ''الرشید ٹرسٹ'' کے بانی، مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اسلام میں مغربی جمہوریت کا کوئی تصور نہیں، اس میں متعدد گروہوں کا وجود (حزب اقتدار اور حزب اختلاف) ضروری ہے، جبکہ قرآن اس تصور کی نفی کرتا ہے......یہ غیر فطری نظام یورپ سے درآمد ہوا ہے جس میں سروں کو گنا جاتا ہے تولا نہیں جاتا۔ اس میں مرد وعورت، پیر وجواں، عامی وعالم بلکہ دانا ونادان سب ایک ہی بھاؤ میں تلتے ہیں۔ جس امیدوار کے پلے ووٹ زیادہ پڑ جائیں وہ کامیاب قرار پاتا ہے اور دوسرا سراسر ناکام۔ مثلاً کسی آبادی کے پچاس علماء، عقلاء اور دانشوروں نے بالاتفاق ایک شخص کو ووٹ دیئے، مگر ان کے بالمقابل علاقہ کے بھنگیوں، چرسیوں اور بے دین اوباش لوگوں نے اس کے مخالف امیدوار کو ووٹ دیئے جن کی تعداد اکاون (۵۱) ہوگئی تو یہ امیدوار کامیاب اور پورے علاقے کے سیاہ وسفید کا مالک بن گیا۔ یہ تمام برگ وبار مغربی جمہوریت کے ''شجرۂ خبیثہ'' کی

پیداوار ہے۔ اسلام میں اس کافرانہ نظام کی کوئی گنجائش موجود نہیں، نہ ہی اس طریقے سے قیامت تک اسلامی نظام آسکتا ہے“۔(احسن الفتاویٰ، جلد ٦ صفحہ ٢٤ تا ٢٦)

مزید ایک جگہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

”جمہوریت کو مشاورت کے ہم معنی سمجھ کر لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ جمہوریت عین اسلام ہے۔ حالانکہ بات اتنی سادہ نہیں ہے۔ درحقیقت جمہوری نظام کے پیچھے ایک مستقل فلسفہ ہے جو دین کے ساتھ ایک قدم بھی نہیں چل سکتا اور جس کے لئے سیکولرازم پر ایمان لانا تقریباً لازمی شرط کی حیثیت رکھتا ہے“۔(احسن الفتاویٰ، جلد ٦ صفحہ ٩٤)

داعیٔ ختم نبوت مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”بعض غلط نظریات قبولیتِ عامہ کی ایسی سند حاصل کر لیتے ہیں کہ بڑے بڑے عقلاء (اور عالم کہلانے والے بھی) اس قبولیتِ عامہ کے آگے سر ڈال دیتے ہیں، وہ یا تو ان غلطیوں کا ادراک ہی نہیں کر پاتے یا اگر ان کو غلطی کا احساس ہو بھی جائے تو اس کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہیں کر سکتے۔ دنیا میں جو بڑی بڑی غلطیاں رائج ہیں، ان کے بارے میں اہل عقل اسی لئے المیے کا شکار ہیں! اسی غلط قبولیتِ عامہ کا سکہ آج ”جمہوریت“ میں چل رہا ہے۔ جمہوریت دورِ جدید کا وہ ”صنمِ اکبر“ ہے جس کی پرستش اول اول داعیانِ مغرب نے شروع کی۔ چونکہ وہ آسمانی ہدایت سے محروم تھے، اس لئے ان کی عقلِ نارسا نے دیگر نظام ہائے حکومت کے مقابلے میں جمہوریت کا بت تراش لیا اور پھر اس کو مثالی طرزِ حکومت قرار دے کر اس کا صور بلند آہنگی سے پھونکا کہ پوری دنیا میں اس کا غلغلہ بلند ہوا، یہاں تک کہ مسلمانوں نے بھی تقلیدِ مغرب میں جمہوریت کی مالا جپنی شروع کر دی۔ کبھی یہ نعرہ بلند کیا گیا کہ ”اسلام جمہوریت کا علم بردار ہے“ اور کبھی ”اسلامی جمہوریت“ (جیسی خبیث اصطلاح) وضع کی گئی۔ حالانکہ مغرب ”جمہوریت“ کے جس بت کا پجاری ہے، اس کا نہ صرف یہ کہ اسلام سے کوئی تعلّق نہیں بلکہ وہ اسلام کے سیاسی نظریہ کی ضد ہے۔ اس لئے

اسلام کے ساتھ جمہوریت (یا اس کی اصطلاحات) کا پیوند لگانا اور جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کرنا صریحاً غلط ہے''۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، جلد ۸، ص:۱۷۶)

مشہور سلفی عالم دین شیخ امین اللہ پشاوری حفظہ اللہ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں:
''جمہوری انتخابات اور حکومت و عہدے کی طلب بھی بہت بڑا فتنہ ہے اور اللہ کی قسم! یہ عظیم فتنہ ''کفر باللہ اور کفر بالاسلام'' پر مشتمل ہے اور اپنے اندر تمام کبائر اور گناہوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ جو شخص اس بات کو نہیں سمجھتا اسے چاہیے کہ موجودہ دل کی جگہ دوسرا دل، موجودہ عقل کی بجائے دوسری عقل اور موجودہ ایمان کے بدلے اور ایمان اللہ سے مانگے''۔(الفوائد، انتخابات کا فتنہ، ص ۴۳)

درج بالا علماء کرام کے فتاویٰ سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ ایک غلط نظام کی اصلاح کے لئے اُس نظام میں شامل ہو کر اس کی اصلاح کرنے اور اس کا اطلاق کفریہ نظام جمہوریت پر کرنے کا جو نظریہ حافظ صاحب جیسے مفکرین نے گڑھا ہے، اور اس کے ذریعے نفاذ شریعت کے لئے انتخابی سیاست کو اختیار کرنے کا جو جواز پیش کیا ہے، اس کی شریعت میں کسی قسم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ساتواں عملی مسئلہ

کیاڈاکٹراسرار احمد کو علماء کی تائید حاصل ہے......؟؟

حافظ صاحب نے پاکستان میں نفاذ شریعت کے حوالے سے جن تین مناہج کا ذکر کیا اس میں سے ایک ''احتجاجی تحریک '' ہے جو کہ ''پرامن'' کی شرط کے ساتھ ہو۔ اس منہج میں جلسے جلوس، لانگ مارچ، دھرنے، سیمناروں اور کانفرنسوں کے ذریعے نفاذ شریعت کا طریقہ کار بتایا گیا ہے۔ جیسا کہ حافظ صاحب لکھتے ہیں:

{''پاکستان میں نفاذ شریعت اور نظام عدل کے قیام کا تیسرا منہج احتجاج کا ہے جو تنظیم اسلامی پاکستان کا منہج ہے۔ اس منہج کو پیش کرنے والے ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ تھے۔ اگرچہ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کوئی پختہ عالم دین نہیں تھے......''۔} (صفحہ نمبر:۲۵۴)

ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم نے اپنی کتاب ''منہج انقلاب نبوی'' کو اپنے فہم کے مطابق بیان کرتے ہوئے نفاذ شریعت کے لئے ''پرامن احتجاجی تحریک'' کا منہج پیش کیا ہے، جس میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے نفاذ شریعت کے لئے اختیار کردہ منہج کا موازنہ گاندھی جیسے ہندو بنئے اور رافضیوں کے امام خمینی جیسے گمراہ اور ضال شخص کے ساتھ کیا ہے اور ان گمراہوں کے طریقہ کار کو آج شریعت کے نفاذ کے لئے سب سے زیادہ آئیڈیل منہج قرار دیا ہے۔ جیسا کہ حافظ صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

{''منہج انقلاب نبوی'' کے نام سے اپنی کتاب میں ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ نے اس منہج کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ خمینی کا انقلاب ایران اور پاکستان میں چیف جسٹس کی بحالی کے لئے وکلاء تحریک اور مسلم لیگ (ن) کا عدلیہ کی بحالی کے لئے لانگ مارچ اس طریقہ کار کی کامیابی کے شواہد ہیں''۔} (صفحہ نمبر:۲۵۴)

جہاں تک ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کا پیش کردہ منہج، جس کو وہ منہج انقلاب نبوی ﷺ سے نسبت دیتے ہیں، اس پر یہاں تفصیل کے ساتھ بحث کی جاسکتی تھی کہ ان کے پیش کردہ منہج کی کوئی نسبت منہج نبوی ﷺ سے نہیں ہوتی۔ لیکن کتاب کی طوالت کے خوف کی وجہ سے ہم اس پر کلام نہیں کریں گے کیونکہ اس موضوع پر سیر حاصل کلام ہمارے شیخ، شیخ حمید اللہ برہانؔ حفظہ اللہ نے اپنی کتاب {مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ} ”اندھیروں سے روشنی کی طرف“ میں کیا ہے، جس کو مجاہدین کے فکر و منہج کو اردو زبان میں عام کرنے میں اہم کردار ادا کرنے والے ادارے ”الموحدین لائبریری“ نے شائع کیا ہے اور جس میں شیخ حمید اللہ برہانؔ حفظہ اللہ نے پاکستان میں اقامت دین کے لئے کھڑے ہونے والی جماعتوں کے منہج و فکر کا شرعی تجزیہ پیش کیا ہے۔ کتاب اور ادارہ الموحدین کے ویب لنکس درج ذیل ہیں:

www.muwahideen.co.nr

www.tawhed.co.nr

:Book Download Link

http://www.box.com/s/8kldqqmn0kdgx1okcujz

:Online Book Reading

http://www.scribd.com/doc/111781342/Minazzulumaat-e-Elannoor

جہاں تک ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کی ذات کا تعلق ہے تو حافظ صاحبؔ نے ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کے بیان کردہ منہج کو سب سے زیادہ آئیڈیل منہج قرار تو دے دیا۔ لیکن اس کی حمایت میں کسی سلفی یا حنفی عالم دین کا فتویٰ کوئی ایک فتویٰ بھی پیش نہیں کیا۔

یہ بات اپنی جگہ تسلیم شدہ ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم نے بطور ایک مدرس قرآن، عوام الناس کے اندر عمومی انداز میں قرآن کریم کے تذکیر و انذار کے پہلو کو بہت عام کیا اور لوگوں کو فہم قرآن کی طرف مائل بھی کیا۔ لیکن تفسیر قرآن اور عقائد کے بعض معاملات میں سلف کے متفقہ موٴقف سے

ہٹ کر تفسیر بالرائے کو بہت زیادہ اختیار کیا جو کہ صرف قرآن کے مدرس کے لئے کسی صورت زیبا نہیں۔ اسی طرح شریعت کے اور دوسرے معاملات میں بھی ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کے کچھ مخصوص افکار تھے جس کی وجہ سے علماء کے کسی طبقے میں بھی ان کو پذیرائی حاصل نہیں ہوئی بلکہ ہر مکتبہ فکر کے مروجہ علماء نے عوام الناس کو ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کی طرف بطور ایک مفسر اور دینی رہنما کے طور پر رجوع کرنے سے منع کیا۔

اس بارے میں ماضی اور حال دونوں میں مروجہ علماء کی طرف سے وقتاً فوقتاً فتاویٰ جاری ہوتے رہے ہیں لیکن حافظ صاحبؔ نے ان میں سے ایک فتویٰ بھی نقل نہیں کیا۔ وجہ اس کی شاید یہ ہے کہ خود حافظ صاحبؔ کی ”روٹی پانی“ ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کے قائم کردہ اکیڈمی سے وابستہ ہے لہٰذا وہ کیسے ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کے خلاف فتاویٰ کو اپنی کتاب میں نقل کریں گے......!!

ذیل میں ہم چند فتاویٰ نقل کریں گے جو کہ مروجہ علماء کی جانب سے ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کے حوالے سے دیئے گئے۔ جامعہ بنوریہ العالمیہ سائٹ، کراچی سے پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں کہا گیا:

> ”ہماری معلومات کے مطابق ڈاکٹر اسرار احمد علوم دینیہ میں کسی مستند عالم دین یا دینی ادارے سے پڑھے ہوئے نہیں بلکہ وہ ایک آزاد خیال اور مودودی صاحب کے فیض یافتہ اور ان کے سچے پیروکار ہیں۔ اس لئے شرعی مسائل کے حل کے سلسلے میں ان سے رابطہ اور ان کے بتائے ہوئے مسائل پر دیگر علماء دین سے وضاحت کئے بغیر عمل کرنے اور تفسیر کے معاملے میں ان کی رائے پر چلنے سے احتراز لازم ہے۔ واللہ الموفق“۔ (دارالافتاء والقضاء جامعہ بنوریہ العالمیہ، فتویٰ نمبر ۲۰۰۹/۴۱۸۱۹-۱۹-۴)

دارالعلوم دیوبند ہندوستان کے دارالافتاء سے ایک سوال ڈاکٹر اسرار احمد کے متعلق پوچھا گیا جو کہ دارالعلوم کی ویب سائٹ پر ”فرقہ ضالہ“ کے سیکشن میں بھی موجود ہے:

"**سوال:** میرا سوال یہ ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد کے بارے میں ہمارے دیوبند علماء کی کیا رائے ہے؟ کیا ہم تنظیم اسلامی پاکستان میں شامل ہوسکتے ہیں؟ جو پاکستان میں خلافت اسلام کے لئے کوشش کر رہی ہے؟

جواب: ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مسلکاً اہل حدیث تھے، اور سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کے فیض یافتہ تھے، انہوں نے جہاد بالقرآن کے عنوان سے ایک تنظیم قائم کی تھی، ان کے بعض عقائد ازروئے قرآن وحدیث واجماع امت فاسد تھے، مثلاً انہوں نے آئمہ اربعہ کے مسلک اور ان کے فقہی اختلاف کو فرقہ واریت سے تعبیر کر کے ان پر بے جا الزام عائد کیا تھا اور اس کے خلاف مستقل تنظیم قائم کر کے تحریک شروع کی تھی، جو بعد میں خود ہی ایک فرقہ بن کر رہ گئی، اس کے علاوہ ان کے بہت سے فاسد عقائد تھے جن کی نشاندہی اہل حق علمائے کرام نے ان ہی کے زمانے میں کر دی تھی"۔

(فتویٰ دار العلوم دیوبند، فتویٰ نمبر: 3/ 1433-395=362)

اسی طرح داعیٔ تحفظ ختم نبوت مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ اور مفتی تقی عثمانی صاحب نے اپنے اپنے فتاویٰ میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے عقائد اور شخصیت کا رد کیا ہے اور ان کی تنظیم میں شمولیت حتیٰ کہ ان کے دروس میں شرکت سے بھی منع کیا ہے۔ اسی طرح سعودی عرب کے علماء نے سید قطب رحمہ اللہ کے معاملے میں "وحدت الوجود" کو بنیاد بنا کر ان کا رد کیا تھا، بالکل اسی طرح پاکستان کے چوٹی کے سلفی علماء نے ان کا رد بڑے سخت الفاظ میں کیا ہے جو کہ "نظریۂ توحید وجودی اور ڈاکٹر اسرار احمد" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

اسی طرح حافظ صاحب آل سعود کے منظور نظر علماء کو دینی مسائل میں حجت کے لئے دلیل بناتے ہیں، لیکن وہ ڈاکٹر صاحب سے متعلق اس بات کو کیوں گول کر گئے کہ آل سعود کے حکمرانوں نے لندن میں حزب التحریر کے پلیٹ فارم سے تقریر کرنے کی وجہ سے ایک عرصے تک ان پر پابندی لگا کر رکھی اور ان کی قائم کردہ تنظیم کو بھی کالعدم قرار دے دیا تھا۔ جس کی بناء پر تنظیم سے وابستہ کافی لوگوں کو

سعودی عرب میں گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا گیا اور کافی عرصے بعد ان کی رہائی عمل میں آئی۔ معلوم حد تک تاحال ڈاکٹر صاحب کی تنظیم پر سعودی عرب میں کھلے عام ہر قسم کی سرگرمیوں پر پابندی ہے۔ جب حافظ صاحب کی تعریف کے مطابق آل سعود کی حکومت ایک اسلامی حکومت ہے تو جب ایک اسلامی حکومت نے ڈاکٹر صاحب اور ان کی تنظیم پر پابندی لگا رکھی ہے تو پھر کیسے اس جماعت کا منہج درست ہو سکتا ہے......؟؟

درج بالا فتاویٰ سے دو باتیں واضح ہو گئیں، اوّل یہ کہ حافظ صاحب کا القاعدۃ اور تحریک طالبان کے منہج کے حوالے سے یہ دعویٰ کہ ”اس مؤقف کو معروف معاصر علماء کی حمایت حاصل نہیں ہے“۔ دراصل اس کا اطلاق ڈاکٹر اسرار احمد اور ان کے بیان کردہ منہج پر ہو رہا ہے کہ ان کو مروجہ معروف علماء کے کسی طبقے میں بھی پذیرائی حاصل نہیں ہے۔

دوم یہ کہ سید قطب رحمہ اللہ کی جن تصنیفات پر سعودی علماء کے فتاویٰ کی روشنی میں حافظ صاحب نے اپنی کتاب میں رد کیا ہے (صفحہ نمبر:۵)، کم و بیش ان ہی بنیادوں پر پاکستان کے سلفی و حنفی علماء نے بھی ڈاکٹر اسرار احمد کی شخصیت کا رد کیا ہے۔ گویا حافظ صاحب نے سید قطب رحمہ اللہ کے بارے میں جو کلام اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ٦ پر کیا ہے اس کا صد فیصد اطلاق از خود ڈاکٹر اسرار احمد کی شخصیت پر بھی ہو جاتا ہے۔ حافظ صاحب سید قطب رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ”سید قطب کوئی ایسی شخصیت نہیں ہیں کہ ان کی طرف رجوع کیا جائے۔ وہ ایک داعی، مبلغ، مصلح اور ادیب تھے اور اس اعتبار سے ان کا مقام مسلم اور قابل تعریف ہے لیکن ان کو عالم دین کے مقام پر فائز کرتے ہوئے عقیدے و منہج میں ان کی پیروی کرنا یا نوجوانوں کو اس کی دعوت دینا درست طرز عمل نہیں ہے اور اسی امر کا رسوخ فی العلم رکھنے والے سلفی علماء نے شدت سے رد کیا ہے“۔

کم و بیش ڈاکٹر اسرار احمد پر بھی یہی الفاظ صادق آتے ہیں......!!

آٹھواں عملی مسئلہ

کیا طالبان پاکستان کے منہج کو معاصر علماء کی حمایت حاصل نہیں......؟؟

حافظ صاحب نے پاکستان میں نفاذ شریعت کے حوالے سے جن تین مناہج کا ذکر کیا اس میں سے ایک ''خروج و قتال'' کا منہج ہے۔ چناچہ وہ اس بارے میں لکھتے ہیں:

{''پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کا دوسرا راستہ تحریک طالبان پاکستان کا ہے جو خروج و قتال کا منہج ہے''۔} (صفحہ نمبر:۲۵۲)

پھر حافظ صاحب تحریک طالبان پاکستان کے مؤقف کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

{''پاکستانی افواج اور سیکورٹی فورسز کے ظلم و ستم کے خلاف کھڑے ہونے والے طالبانِ پاکستان کا اس بارے میں موقف واضح ہے کہ وہ معاصر حکمرانوں اور ان کے ہر قسم کے معاونین کو کافر قرار دیتے ہیں''۔} (صفحہ نمبر:۴۰)

پھر حافظ صاحب طالبانِ پاکستان کے موقف کے بارے میں لکھتے ہیں:

{''اس مؤقف کو معروف معاصر علماء کی حمایت حاصل نہیں ہے''۔}(صفحہ نمبر:۴۲)

پھر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ:

{''بلاشبہ مذہبی طبقات اور رہنماؤں کے موقف کے مطابق معاصر پاکستانی حکمران فاسق و فاجر اور ظالم ہیں لیکن ان کے کافر ہونے کے بارے میں معروف مکاتب فکر میں سے کسی بھی مکتب فکر کے علماء کا تاحال کوئی فتویٰ جاری نہیں ہوا''۔} (صفحہ نمبر:۴۰)

سوال یہ ہے کہ حافظ صاحب کا یہ دعویٰ کہ تحریک طالبان پاکستان یا ان جیسی فکر رکھنے والے دوسرے گروہوں کو معروف معاصر علماء کی حمایت حاصل نہیں، آیا حقیقت پر مبنی ہے یا پھر اس معاملے میں بھی تلبیس سے کام لیا جارہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اولاً حافظ صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ تحریک طالبان پاکستان دراصل حکومت پاکستان اور افواج پاکستان کے ظلم وستم کی بنیاد پر قتال کررہی ہے، اور حافظ صاحب نے اس بات پر پردہ ڈالنے کی غیر محسوس انداز میں کوشش کی کہ حکومت پاکستان اور افواج پاکستان کے خلاف قتال دراصل ان کے کفر وارتداد کی بنیاد پر کیا جارہا ہے، جس میں ظلم وستم کا عنصر بھی اپنی بھیانک صورت میں شامل ہو چکا ہے۔

سوات و باجوڑ سے لے کر جنوبی و شمالی وزیرستان تک اور جامعہ حفصہ اور لال مسجد کی تاریخ اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ پاکستانی حکمرانوں نے نہ صرف کفر وارتداد کی راہ اپنائی بلکہ اس پر جاذب رہتے ہوئے جو ان کے خلاف بولا یا میدان عمل میں اترا، اس کے خون کی ہولی بڑی بھیانک انداز میں کھیلی گئی۔ لال مسجد میں ہزاروں طلبہ و طالبات کو "شریعت" مانگنے کی سزا میں "آپریشن سائیلنس" کے نام پر ان کا قتل عام کیا گیا اور ان کی لاشوں کو فاسفورس بموں سے جلا کر ہمیشہ کے لئے سائیلنٹ کر دیا گیا۔ اس دوران ہزاروں قرآنی اور احادیث کے نسخوں کو آگ لگائی گئی اور سینکڑوں نسخے طالبات کی لاشوں کے ساتھ گندے نالوں میں پائے گئے۔ واللہ المستعان

جو لوگ قرآن وحدیث کے نسخوں کے ساتھ ایسا کریں تو ان کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ ان کے متعلق طالبان افغانستان کے نامور کمانڈر صوبہ زابل میں مجاہدین طالبان کے رہنما ملا عبد اللہ حفظہ اللہ ادارہ السحاب کو ایک انٹرویو میں ان کا شرعی حکم یوں بیان کرتے ہیں:

> "میں نے خود اپنی آنکھوں سے یہ مناظر دیکھیں ہیں کہ جب امریکیوں نے بامیان میں مجاہدین کو شہید کیا۔ ان شہداء کے جیبوں میں قرآن کریم اور سورۃ یٰسین کے نسخے تھے۔ جن کو امریکیوں نے نکال کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور پھر ان شہداء کے منہ میں ٹھونس دیا۔

یہ (کلمہ گو) شمالی اتحاد والے ان کے ساتھ کھڑے تھے!! وہ کھڑے تماشہ کیوں دیکھتے رہے؟؟ ان کا دل اس گندی حرکت پر کیوں نہیں کُڑھا۔ فقہ کی کتب میں صاف یہ بات لکھی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نام کی بے حرمتی ہو رہی ہو اور اس کو کسی گندی جگہ پر ڈالا جا رہا ہو، اور کوئی مسلمان قدرت کے باوجود بھی وہاں سے اللہ کا نام نہ ہٹائے تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے"۔ (السحاب کی ویڈیو "الحکم للہ والملک للہ" سے اقتباس)

جو شخص قدرت کے باوجود اللہ کے نام کی بے حرمتی ہونے سے نہ روکے تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے تو غور کرنے کا مقام ہے کہ اس شخص کا شریعت میں کیا حکم ہو گا جو کہ شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کرنے والوں کو شہید بھی کرے اور ان کے ساتھ قرآن و حدیث کے نسخوں کو آگ لگائے اور ان کو معصوم طالبات کے ساتھ گندے نالوں میں بہا دے!

حقیقت یہ ہے کہ لال مسجد آپریشن دراصل مسلمانوں کے علاقوں پر صلیبی یلغار کا ایک حصہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس آپریشن کے بعد اس وقت کے امریکی صدر بش کے الفاظ یہ تھے جو کہ 12 جولائی 2007ء کے پاکستانی اخبارات میں بھی شائع ہوئے:

"اس ماہ (جولائی 2007ء) کے آغاز میں صدر مشرف نے ان شدت پسندوں کو کچلنے کے لئے فوج بھیجی ہے جنہوں نے لال مسجد پر قبضہ جما لیا تھا اور انہوں نے اپنی تقریر میں اس عزم کا اعادہ کیا ہے کہ پاکستان کو انتہاء پسندوں سے پاک کیا جائے گا۔ افواج پاکستان اس مقصد کے لئے لڑ رہی ہیں اور بہت سوں نے اس میں اپنی جان ہاری ہے۔ امریکہ پاکستانی فواج کی ان کاوشوں کی حمایت اور مدد کرتا ہے۔ ہم پاکستان اور دنیا بھر میں اپنی اتحادی افواج سے مل کر طالبان اور القاعدۃ کی محفوظ پناہ گاہیں ختم کرنے کے لئے لڑتے رہیں گے"۔

استاد یاسر رحمہ اللہ سابق مسئول شعبۂ ثقافت، امارت اسلامیہ افغانستان ادارۂ حطین کو دیئے گئے ایک انٹرویوں میں کہتے ہیں:

”لال مسجد کا واقعہ پاکستانی فوج اور پاکستان کی پیشانی پر شرمندگی کا ایسا بدنما داغ ہے جو کبھی نہیں دھل سکتا اور تاریخ میں جب بھی اس کا تذکرہ ہوگا تو پاکستان کی حکومت اور اس کی فوج ضرور لعنت و ملامت کا مستحق ٹھہرے گی بلکہ میں تو یہ کہوں گا حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے خلاف حجاج نے مسجدِ حرام (خانہ کعبہ) میں جو قتال کیا تھا، اس وقت سے لے کر آج تک یہ دوسرا واقعہ ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں مسجد کے اندر علماء، حفاظ قرآن اور عام مسلمانوں کو شہید کیا گیا ہے۔ یہ لوگ ہمیں ”متشدد“ کہتے ہیں، کیا جو کچھ لال مسجد کے ساتھ کیا گیا وہ تشدد نہیں تھا؟ ذرا دیکھئے! جمہوریت کا راگ الاپنے والوں نے لال مسجد کا کیسا حل نکالا؟ اور سیکولر طبقے نے لال مسجد والوں کے حقوق کی کیسی حفاظت کی۔ پس لال مسجد کے واقعے نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ جنگ، اسلام اور جمہوریت کی جنگ ہے......لال مسجد پر حملہ دراصل عالم اسلام کے خلاف جاری صلیبی و صہیونی یلغار کا حصہ ہی تھا“۔

اسی طرح سوات آپریشن کے دوران ”شریعت یا شہادت“ کا نعرہ لگانے کی اہل سوات کو یہ سزا دی گئی کہ پاکستانی فضائیہ نے اپنی تاریخ کا سب سے بڑا فضائی آپریشن کرتے ہوئے جنگ عظیم دوم کے بعد تاریخ کی سب سے بدترین بمباری سوات میں کی۔ جس میں پہلی مرتبہ امریکی تعاون سے لیزر گائیڈڈ میزائلوں کا استعمال کیا گیا۔ پھر پاکستانی فوج نے امریکی تعاون سے سوات کو فتح ہونے کے بعد جس طرح امریکہ کے اعلیٰ ترین فوجی اہلکاروں اور حکومتی نمائندوں نے سوات میں آکر جس طرح جشن منایا وہ تو کسی سے پوشیدہ نہیں۔

جہاں تک تعلق ہے اس بات کا کہ حکومت پاکستان اور افواج پاکستان کے کفر و ارتداد کی بناء پر ان کے خلاف قتال کو معروف معاصر علماء کی حمایت حاصل نہیں ہے، سوائے جھوٹ اور فریب کے سوا کچھ نہیں۔ چنانچہ وہ معاصر علماء جن کے راسخون فی العلم ہونے میں کسی کو شک و شبہ نہیں ہے، انہوں نے پاکستان کو نہ صرف ایک کفری ریاست قرار دیا بلکہ حکومت پاکستان کے خلاف قتال کو بھی جائز قرار دیا۔

اس سلسلے میں سب سے بڑی مثال مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمہ اللہ (جامعہ علوم الاسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی) ہیں جنہوں نے 9/11 کے بعد افغانستان پر امریکی حملہ کے بعد اپنے نام کے لیٹر پیڈ پر ایک فتویٰ جاری فرمایا جو کہ ملک کے تمام اخبارات میں جلی حروف کے ساتھ شائع ہوا اور جس کو دلیل کے طور عالم عرب کے علماء حق نے اپنے فتاویٰ میں نقل کیا۔ اس فتویٰ کے الفاظ یہ ہیں:

"امریکہ نے امارتِ اسلامی افغانستان پر حملہ کر دیا ہے۔ اب مسلمانوں کیلئے شرعی احکام مندرجہ ذیل ہے۔

ا۔ تمام مسلمانوں پر جہاد فرض ہو گیا ہے کیونکہ موجودہ صورتحال میں صرف افغانستان کے آس پاس مسلمان امارتِ اسلامی افغانستان کا دفاع نہیں کر سکتے ہیں اور یہودیوں اور امریکہ کا اصل ہدف امارتِ اسلامی افغانستان کو ختم کرنا ہے۔ دارالاسلام کی حفاظت اس صورت میں تمام مسلمانوں کا شرعی فریضہ ہے۔

۲۔ جو مسلمانوں چاہے اس کا تعلق کسی بھی ملک سے ہو اور کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے سے وابستہ ہو وہ اگر اس صلیبی جنگ میں افغانستان کے مسلمانوں یا امارتِ اسلامی افغانستان کی اسلامی حکومت کے خلاف استعمال ہو گا وہ مسلمان نہیں رہے گا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف کوئی بھی مسلمان حکمران اگر حکم دیں اور اپنے ماتحت لوگوں کو اسلامی حکومت کے ختم کرنے کیلئے استعمال کرنا چاہے تو ماتحت لوگوں کیلئے اس طرح کے غیر شرعی احکام ماننا جائز نہیں ہے بلکہ ان احکام کی خلاف ورزی ضروری ہو گی۔

۴۔ اسلامی ممالک کے جتنے حکمران اس صلیبی جنگ میں امریکہ کا ساتھ دے رہے ہیں اور اپنی زمین، وسائل اور معلومات ان کو فراہم کر رہے ہیں وہ مسلمانوں پر حکمرانی کے حق سے محروم ہو چکے ہیں تمام مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان حکمرانوں کو اقتدار سے محروم کریں چاہے اس کیلئے جو بھی طریقہ استعمال کیا جائے۔

۵۔ افغانستان کے مسلمان مجاہدین کے ساتھ جانی و مالی اور ہر قسم کی ممکن مدد مسلمانوں پر فرض ہے لہٰذا جو مسلمان وہاں جا کر ان کے شانہ بشانہ لڑ سکتے ہیں وہ وہاں جا کر شرکت کر لیں اور جو مسلمان مالی تعاون کر سکتے ہیں وہ مالی تعاون فرمائے۔ اللہ تعالیٰ مصیبت کی اس گھڑی میں مسلمانوں کا حامی و ناصر ہو۔ اس فتویٰ کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کر کے دوسرے مسلمانوں تک پہنچائے۔

فقط و سلام
مفتی نظام الدین شامزئی
(مہر و دستخط)

درج بالا فتوے میں مفتی نظام الدین شامزئی رحمہ اللہ نے واضح طور پر یہ فتویٰ دیا کہ جو حکمران بھی صلیبی اتحاد کی معاونت کا مرتکب ہوا ہو وہ مسلمانوں پر حق حکمرانی سے محروم ہو چکا ہے اور اس کو ہٹانے کے لئے کوئی بھی طریقہ استعمال کیا جا سکتا ہے اور دوسرا نکتہ یہ بھی واضح ہو گیا کہ جو بھی صلیبی اتحاد کی معاونت کا مرتکب ہوا وہ مسلمان نہیں رہا۔ چناچہ اپنے ایک اور فتوے میں مزید لکھتے ہیں:

"کسی مسلمان کے لیے خواہ وہ دنیا کے کسی کونے میں رہتا ہو سرکاری ملازم ہو یا غیر سرکاری اگر اس نے افغانستان پر امریکہ کے حملے میں کسی قسم کا تعاون کیا جو ایک صلیبی حملہ ہے تو وہ مرتد ہو گا۔" (بحوالہ "امریکیوں کی مدد کرنے والے کے کفر میں واضح بیان" از شیخ ناصر بن فہد)

اسی طرح جب پاکستانی فوج امریکی ایماء پر سب سے پہلے وزیرستان پر حملہ آور ہوئی تو لال مسجد و جامعہ حفصہ کے فورم سے ایک فتویٰ جاری کیا گیا، جس پر ملک بھر کے تقریباً پانچ سو جید علماء کے دستخط موجود تھے، جس میں اس بات کا واضح اعلان کیا گیا تھا کہ وزیرستان میں پاکستانی فوج اور مجاہدین کے درمیان ہونے والی لڑائی میں اگر مجاہدین میں سے کوئی مارا گیا تو وہ "شہید" کہلائے گا اور فوج میں سے کوئی مارا گیا تو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی جائے گی۔ اہل علم اچھی طرح جانتے ہیں کہ لڑنے والے دو فریقوں میں سے اگر ایک مرنے والا شہید کہلائے اور دوسرے کی نماز جنازہ پڑھنا ممنوع قرار پائے تو اس کا کیا مطلب ہوتا ہے......؟؟!!

اسی طرح وہ لوگ جو کہ پاکستان کے کفریہ آئین سے دھوکا کھانے کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ یہ آئین اسلامی ہے۔ حالانکہ اس فریب کا پردہ چاک کرنے کے لئے صرف اتنی ہی بات کافی ہے کہ جہاں پاکستان کے آئین کی ایک شق میں یہ لکھا ہے کہ سپریم لاء قرآن وسنت ہوگا، وہیں اس آئین کی اکثر شقیں شریعت اسلامی کے یکسر خلاف ہیں۔ یہ بات سب کو پتہ ہے کہ آئین پاکستان کی ایک شق دوسری کو معطل نہیں کرتی۔ جس کا اعتراف انجمن خدام القرآن کے مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم بھی کر چکے ہیں، جس ادارے کی چھتری تلے آج کل حافظ صاحب تحقیق اور ریسرچ کے نام پر اسلام کی جڑیں کھودنے میں لگے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں:

”لیکن ایک افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ایک مدت تک یہ قرار داد مقاصد دستور کا دیباچہ بنی رہی۔ دستور کے واجب العمل حصہ میں نہ ہونے سے اس قرارداد کی بنیاد پر حکومت کے خلاف یا کسی قانون کے خلاف کوئی مقدمہ دائر نہ ہو سکتا تھا...... لیکن ضیاء الحق مرحوم نے قرارداد مقاصد کو دستور کا جزو تو بنا دیا مگر دستور کے اندر اس قرارداد سے متصادم جو دفعات تھیں ان کو رہنے دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سندھ ہائی کورٹ نے قرارداد مقاصد کو اولیت دے کر ایک فیصلہ کر ڈالا، جبکہ سپریم کورٹ نے اس فیصلے کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ دستور کی تمام دفعات برابر ہیں، کسی دفعہ کو دوسری دفعہ پر فوقیت حاصل نہیں“۔

(خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام، ص ۱۰۰)

یہی وجہ ہے کہ راسخون فی العلم علماء نے پاکستان کے کفریہ آئین کی بنیاد پر اس کو کفریہ ریاست قرار دیا اور جب کفر بواح کا صدور صرف حاکم کی ذات تک محدود نہ رہ گیا ہو بلکہ وہ ایک ریاست کا دستور بن چکا ہے تو اس کے خلاف قتال فی سبیل اللہ مسلمانوں پر کس درجے فرض عین ہو جاتا ہے، اس سے کوئی بھی صاحب علم لاعلم نہیں۔

مالاکنڈ ڈویژن کے مشہور اور دیوبند مکتبہ فکر کے عالم ربانی استاذ الاستاذ مولانا ولی اللہ بلگرامی شہید رحمہ اللہ، پاکستان کے کفری دستور کے بارے میں فرماتے ہیں:

''وهم يدعون أنها دولة اسلامية ، بل هي حصن الاسلام۔ وأما في نفس الأمر، فلست دولة باكستان دولة اسلامية ، ولا داراسلام لأن دستورها دستور كفري ، وبالصلوة والصيام واقامة الجمعة والأعياد لا تكون اسلامية ، والا فتكون دول أوروبا وأمريكا وغيرها دولة اسلامية بعين هذا الدليل ﴿هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ﴾ (آل عمران:١٦٧)''۔

”وہ (لوگ جو) بالعموم دعویٰ کرتے ہیں کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست بلکہ ”اسلام کا قلعہ“ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ارباب حکومت کچھ بھی کہیں، نہ تو پاکستان ایک اسلامی ملک ہے، نہ ہی یہ کسی طرح ”دارالاسلام“ کہلا سکتا ہے، کیونکہ اس کا دستور ایک ”کفری دستور“ ہے۔ محض نماز، روزے اور جمعہ و عیدین کی ادائیگی سے کوئی خطہ دارالاسلام نہیں بن جاتا، وگرنہ تو عین اسی دلیل کی بناء پر یورپ اور امریکا کے بھی بہت سے علاقے دارالاسلام قرار پائیں گے۔ (ایسی دلیلیں دینے والوں کے بارے میں قرآنی حکم یہ ہے کہ) ”یہ اُس دن ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ منہ سے وہ باتیں کہتے ہیں جو اُن کے دل میں نہیں ہیں اور جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اللہ اس سے خوب واقف ہے“۔

(اعلام الأعلام بمفهوم الدين والاسلام أو رفع الحجاب عن مضار الجمهورية والانتخاب ، ص:٣٣٣ تا ٣٣٤)

شیخ امین اللہ پشاوری حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

''ولا شك أن من لم يحكم بشيء مما أنزل الله تعالى لا يكون الاغير مصدق ولانزاع في كفره۔ أقول: فتدبر في هذا التفسير أن الذى لا يحكم بجميع ما أنزل الله كافر باجماع المسلمين ، ولا يغرنك بعض القوانين الاسلامية في بلاد الاسلام فانها ما أقيمت لأنها شرع الله بل لموافقتها قوانين الاوروبين والكافرين ، فلاتنس هذا''۔

"میں کہتا ہوں کہ: آیت مبارکہ ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ کی اس تفسیر پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ جو شخص ہر چھوٹے بڑے معاملے میں اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق فیصلہ نہ کرے، اس کے کافر ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ پس کہیں یہ بات آپ کو دھوکے میں نہ ڈال دے کہ آج مسلم خطوں میں بعض اسلامی قوانین بھی تو نافذ ہیں۔ یاد رکھئے! یہ قوانین اس لئے نہیں نافذ کئے گئے کہ اللہ کی شریعت نے ان کے نفاذ کا مطالبہ کیا ہے، بلکہ انہیں اس لئے برداشت کیا گیا ہے کہ اہل یورپ اور کفار کے قوانین میں بھی ان کی گنجائش موجود ہے۔ پس یہ نکتہ بخوبی ذہن نشین رہنا چاہیے!" (فتاوی الدین الخالص: المجلد٦)

شیخ الحدیث مولانا نور الہدیٰ حفظہ اللہ اپنی کتاب "کیا ہمارا آئین اسلامی ہے؟" میں لکھتے ہیں:

"سرزمین پاکستان جس کو قریباً چونسٹھ سال ہو چکے ہیں لاکھوں مسلمانوں کی قربانیوں کے عوض حاصل کی گیا تھا کہ اسے اسلام کا قلعہ بنایا جائے گا لیکن آج نہ صرف اسلام اور نظام خلافت کے قیام اور نفاذ شریعت سے محروم ہے بلکہ دین اسلام اور نفاذ شریعت کے خلاف بر سر پیکار ہے۔ آج پوری ریاست پاکستان مجاہدین عالم کے خلاف طاغوت اکبر امریکہ کی فرنٹ لائن اتحادی ہے۔ وہ چیز جس کو آج اسلامی تشخص کا نام دیا جارہا ہے سوائے مکر و فریب کے اور کچھ نہیں۔ وہ ریاست جس کو واحد اسلامی ریاست کہا جاتا ہے، ان ہی بنیادوں پر قائم ہے جو مغربی تصورِ ریاست کی فراہم کردہ ہیں، اور اس کا دستور خود اسلام سے متصادم اور نفاذ شریعت کی راہ میں حائل ہے"۔ (کیا ہمارا آئین اسلامی ہے؟ صفحہ نمبر: ۱۲)

پھر مولانا نور الہدیٰ حفظہ اللہ اپنی کتاب میں القائدۃ کے موجودہ امیر شیخ ایمن الظواہری حفظہ اللہ کو "قائد مجاہدین" قرار دیتے ہوئے ان کے درج ذیل موٴقف کی بھرپور تائید کرتے ہیں:

”میں پوری بصیرت کے ساتھ اس نتیجے پر پہنچا کہ پاکستان ایک غیر اسلامی مملکت ہے اور اس کا آئین بھی غیر اسلامی ہے، بلکہ شریعت کے ساتھ کئی اساسی اور خطرناک تناقضات پر مبنی ہے“۔ (کیا ہمارا آئین اسلامی ہے؟ صفحہ نمبر: ۱۳۰)

پس حافظ صاحب کا یہ دعویٰ کہ تحریک طالبان پاکستان کو معروف معاصر علماء کی حمایت حاصل نہیں، سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ جس کی مزید وضاحت اگلے صفحات میں ہو جائے گی۔

نواں عملی مسئلہ

کیا پاکستان میں خروج و قتال کے طالبان افغانستان مخالف ہیں......؟؟

حافظ صاحب نے اپنی کتاب میں دعویٰ کیا کہ طالبان افغانستان پاکستان کے اندر خروج و قتال یعنی جہاد کے مخالف ہیں اور وہ اس عمل کو صحیح نہیں سمجھتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

{”پاکستان میں جہادی کاروائیوں کے بارے میں طالبان افغانستان اور القاعدۃ کے منہج کا فرق بالکل واضح ہے۔ طالبان افغانستان، پاکستان میں کوئی نیا محاذ کھولنے کے خلاف ہیں“۔}
(صفحہ نمبر:۳۸)

حافظ صاحب نے یہ دعویٰ تو کر دیا کہ طالبان افغانستان پاکستان میں جہاد یعنی خروج و قتال کے مخالف ہیں لیکن اس کے دعوے کی صداقت ثابت کرنے کے لئے کوئی ایک ثبوت پیش نہیں کیا کہ کسی سینئر طالبان لیڈر نے یہ کہا ہو کہ پاکستان میں جہاد سراسر غلط ہے یا یہ شریعت کے خلاف ہے۔ پھر خصوصیت کے ساتھ ایک پروپیگنڈہ یہ کیا جاتا ہے کہ ملا عمر حفظہ اللہ کی جانب سے پاکستان میں علم جہاد بلند کرنے کی پابندی ہے۔ لہٰذا پاکستان میں علم جہاد بلند کرنا غیر شرعی عمل اور خلاف امر کام ہے......حالانکہ اس بات کا فی الحقیقت نہ کوئی وجود ہے اور نہ ہی ایسا کہنے والوں کے پاس ملا عمر حفظہ اللہ کا لکھا ہوا کوئی پروانہ موجود ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آج تک طالبان کے کسی بھی سینئر رہنما نے یہ بیان نہیں دیا کہ پاکستان میں جہاد کا علم بلند کرنا غلط ہے یا یہاں خروج و قتال کی شرعی طور پر کوئی گنجائش نہیں بلکہ طالبان رہنماؤں نے گاہے بگاہے جہاد پاکستان کی تائید کی اور عامۃ المسلمین کو بھی جہاد پاکستان کی مدد و نصرت پر ابھارا۔ اسی طرح انہوں نے پاکستانی حکومت اور فوج کو امریکی غلام قرار دیا اور اپنی ان غلامانہ طرز عمل سے باز آنے کی تنبیہ بھی کی۔

استاذ المجاہدین استاد محمد یاسر فک اللہ اسرہٗ، سابق مسئول شعبۂ ثقافت، امارت اسلامیہ افغانستان، پاکستان کے اٹھنے والی طالبان کی تحریک کے بارے میں ادارہ حطین کو انٹرویو دیتے ہوئے یوں فرماتے ہیں:

''**حطین:** آپ اہل پاکستان کو قبائلی علاقہ جات سے اٹھنے والے طالبان کے حوالے سے کیا پیغام دیں گے؟

استادیاسر: میں یہ کہوں گا کہ خوشخبری ہے اہل پاکستان کے لئے اور بالخصوص سرحد کے باسیوں کے لئے کہ شریعت کے نفاذ کی خاطر طالبان تحریک اٹھ کھڑی ہوئی ہے، وہ تحریک کہ جس کا آغاز وزیرستان، سوات اور باجوڑ میں ہوا تھا۔ ان مجاہدین نے رہزنوں، منشیات فروشوں اور ''روشن خیال'' لوگوں کو اپنے علاقوں سے نکال باہر کیا ہے اور یہاں ایمان و جہاد کی فضا پیدا کر دی ہے۔ یہ نہ صرف پاکستان، بلکہ افغانستان اور پوری امت کے حق میں خیر کی نوید ہیں۔ پس اے اہل پاکستان! انہیں اجنبی نہ جانوں، نہ ہی انہیں اپنا دشمن سمجھو۔ یہ پاکستان کا امن قطعاً خراب نہیں کر رہے ہیں۔ پاکستان کا امن تو ایف۔بی۔آئی اور سی۔آئی۔اے کی خفیہ ایجنسیاں خراب کر رہی ہیں، جو پاکستان کی فوج اور قانون نافذ کرنے والے اداروں میں اپنے ایجنٹ داخل کر چکی ہیں۔ جہاں تک ان اہل دین طالبان کی بات ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اسلام و شریعت سے بخوبی واقف ہیں تو وہ تمام انسانوں میں بہترین لوگ ہیں۔ یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں اور بلوں میں رہنے والی چیونٹیاں تک ان نیکی کی تعلیم دینے والے صالح لوگوں کی قدر جانتی ہیں۔ پس تم بھی (اے اہل پاکستان) ان کا حق ادا کرو! انہیں اپنا دوست بناؤ، ان کی مدد و نصرت کرو اور ان سے معافی بھی مانگو کہ تم نے ان کے حق کی بہت تقصیر کی ہے''۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ استاد محمد یاسر فک اللہ اسرہٗ نے کس گروہ کو خوشخبری اور افغانستان سمیت پوری امت کے لئے خیر کی نوید قرار دیا اور اس کے برعکس کس کو انہوں نے ایف بی آئی اور سی آئی اے کا ایجنٹ قرار دیا! ہوش مندوں کے لئے اس میں کھلی نشانیاں ہیں!

ملا داد اللہ شہید رحمہ اللہ مسوئل عسکری (چیف آف آرمی اسٹاف) ، امارت اسلامیہ افغانستان ، الجزیرۃ ٹی وی چینل کو ایک انٹرویو میں ایک سوال کا جواب یوں دیتے ہیں:

”**صحافی:** آج کل (پاکستان کے) قبائلی علاقوں میں بعض لوگ پاکستانی فوج کے خلاف کاروائیاں کر رہے ہیں، ان لوگوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

ملاداد اللہ: ساری دنیا ہمارے (یعنی افغان طالبان کے) خیالات سے واقف ہے اور سارے عالم کے لوگ جانتے ہیں کہ یہ جنگ صرف امریکیوں اور برطانویوں کے خلاف نہیں بلکہ ہر اس قوت کے خلاف ہے جو ہمیں امریکہ اور برطانیہ کے خلاف لڑنے سے روکے خواہ وہ ”پاکستان“ ہو یا ہماری اپنی ہی قوم کے لوگ۔ اس لئے میں پاکستانی فوج سے کہوں گا اگر وہ ہمارا سامنا کرنے کا دم خم رکھتی ہے تو شوق سے اپنا پورا وزن ان کفار کے پلڑے میں ڈال دے۔ ہمارا مقصد تو یہ نہیں کہ ہم پاکستان یا کسی اور سے لڑیں لیکن اگر وہ ہماری راہ میں رکاوٹ بننا چاہ رہے ہیں تو شوق سے بنیں لیکن پھر میدانِ جنگ میں ہمارا سامنا کرنے کے لئے تیار رہیں“۔

(الجزیرۃ چینل کو دیئے گئے انٹرویو سے اقتباس بحوالہ بنیان مرصوص ویڈیو ادارہ حطین)

ملا داد اللہ شہید رحمہ اللہ کے اس بیان میں عبرت و نصیحت ہے ان لوگوں کے لئے جو امریکہ کی مدد کرنے والی افغانی فوج اور پاکستانی فوج کے حکم میں میں فرق کرتے ہیں! ملا داد اللہ شہید رحمہ اللہ نے اپنے بیان میں واضح کر دیا کہ شرعی و عقلی لحاظ سے پاکستانی اور افغانی فوج میں کوئی فرق نہیں۔ ان میں سے جو کوئی بھی امریکہ کے خلاف جنگ میں ہماری راہ میں رکاوٹ بنے گا تو اس کا فیصلہ میدان جنگ میں ہو گا!

ملّا محمود غزنوی حفظہ اللہ (امارت اسلامی افغانستان کے جنوبی علاقوں کے کمان دان) نے ادارہ حطین کے اپنے ایک انٹرویو میں یوں فرمایا:

''حطین: استاد محمد یاسر فک اللہ اسرہٗ اور ان کے دوسرے ساتھیوں کی رہائی پر پاکستانی حکومت کے اقدامات انتہائی شرمناک ہیں۔ گزشتہ چھ سال میں اس حکومت نے مجاہدین کے خلاف جاری جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ انہیں گرفتار کرکے امریکہ سے قیمت وصول کی۔ انہیں تعذیب و تشدد کا نشانہ بنایا، اور کتنوں کو قتل کر ڈالا۔ لیکن واشنگٹن میں بیٹھے ہوئے ان کے آقا، ہر دفعہ مزید کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیث مروی ہے: ((زوال الدنیا کلھا أھون علی اللہ من قتل رجل مسلم)) ''پوری دنیا کا برباد ہونا، اللہ کے ہاں ایک مسلمان شخص کے قتل سے زیادہ ہلکا ہے''۔ پس ان تمام لوگوں سے جو صلیبیوں کے آلۂ کار بلکہ غلام بنے ہوئے ہیں، کہتا ہوں کہ کفار کی غلامی چھوڑ کر اللہ کی غلامی میں آجائیں اور روزِ قیامت سے ڈریں، مجاہدین کی راہ میں رکاوٹ بننے کے بجائے اس فرض عین جہاد میں ان کا ساتھ دیں، ورنہ اللہ ضرور انہیں ذلت کا انجام دکھائیں گے اور ان کے طاغوتی نظام حکومت کو تباہ برباد کر دیں گے، ان شاء اللہ'' (رسالہ ''حطین'' سے ایک اقتباس)

صوبہ زابل میں مجاہدین طالبان کے رہنما ملا عبداللہ حفظہ اللہ ادارہ السحاب کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہتے ہیں

سوال: پاکستان میں جو تحریک پاکستانی فوج اور حکومت کے خلاف برسرِپیکار ہے، کیا وہ صحیح اور شرعی بنیادوں پر یہ جنگ لڑ رہے ہیں؟

ملا عبداللہ: یہ تو پاکستان کے مجاہدین کا داخلی معاملہ ہے۔ جہاں تک میری معلومات ہیں کہ ''ابتداء'' میں امارت اسلامیہ کی جانب سے ان کو یہ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ پاکستانی حکومت سے لڑیں، لیکن پاکستان کی حکومت نے خود ان کو جنگ پر مجبور کیا۔ آپ مسلمان ہوں اور

آپ کے گھر میں کوئی غیر گھس آئے تو آپ لازماً اس سے لڑیں گے اور اپنا دفاع کریں گے، اس سے جنگ کریں گے۔ اگر آپ کسی کے گھر میں نہ گھسیں تو کوئی بلاوجہ تو آپ سے نہیں لڑتا۔ تو میرا نقطۂ نظر یہی ہے کہ طالبانِ (پاکستان) کو جنگ کا حکم تو نہیں دیا گیا تھا لیکن صورت حال یہ ہے کہ حکومتِ (پاکستان) طالبان کا پیچھا کر رہی ہے نہ کہ طالبان۔ طالبان کو تو حکومت نے مجبور کیا ہے۔ حکومتِ (پاکستان) نے ایسا کیوں کیا؟ اس لئے کہ یہ حکومت امریکیوں کے گود میں پل رہی ہے لہٰذا حکومت نے ہی ان کو مجبور کیا ہے۔ حکومت کے ہی کرتوتوں کی وجہ سے اس کے خلاف لڑ رہے ہیں، اپنے عقیدے اور جذبات کی بناء پر۔ پاکستان میں یہ مجاہدین ابھی اور بھی آگے بڑھیں گے، خواتین تک اٹھیں گی اور یہ تحریک اور بھی زور پکڑے گی۔ ان شاء اللہ۔ اگر حکومت پاکستان نے امریکیوں سے لاتعلقی اختیار نہ کی تو یہ تحریک کراچی، سندھ اور کوئٹہ سے ہوتے ہوئے افغانستان سے جا ملے گی......{چھپتے چھپتے:: ابھی یہ کتاب پروف ریڈنگ کے آخری مراحل میں تھی کہ طالبان پاکستان کے امیر ملا حکیم اللہ محسود رحمہ اللہ کی شہادت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ اللہ ان کی شہادت کو قبول فرمائے اور ان کی شہادت کی برکت سے جہاد پاکستان کو اور زیادہ مستحکم اور مضبوط فرمائے کہ جس کے نتیجے میں یہاں شریعت کا نفاذ ممکن ہو سکے۔ چناچہ حکیم اللہ محسود کی شہادت پر امارت اسلامیہ افغانستان کی جانب سے ''ملا حکیم اللہ محسود کی شہادت کے بارے میں امارت اسلامیہ کا اعلامیہ'' کے عنوان ایک بیان جاری کیا گیا جس میں حکیم اللہ محسود رحمہ اللہ کو غیور اور دلیر قائد قرار دیتے ہوئے ان کی شہادت کو ایک عظیم نقصان قرار دیا گیا۔ چناچہ امارت اسلامی افغانستان کے بیان میں کہا گیا:

''نہایت المناک خبر ملی ہے کہ جمعہ کے روز 01-11-2013 شمالی وزیرستان میں تحریک طالبان پاکستان کے قائد، غیور اور دلیر مجاہد ملا حکیم اللہ محسود امریکی بزدلانہ حملے میں شہید ہوگئے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ امریکہ کے اس وحشت ناک عمل کی امارت اسلامیہ افغانستان شدید ترین الفاظ میں مذمت کرتی ہے۔ ملا حکیم اللہ محسود کی شہادت کو عظیم

نقصان تصور کرتی ہے اور اسی وجہ سے موصوف شہید کے خاندان، رشتہ داروں اور تمام ہم سفر ساتھیوں کو دل کی گہرائیوں سے تعزیت پیش کرتی ہے۔ شہادت مسلمانوں کے لئے سب سے عظیم مقصد اور بڑی آرزو ہے۔ مجاہدین کو شہید کرنے سے امریکی اپنے مذموم مقاصد کے حصول تک پہنچ نہیں سکتے“۔ اہل بصیرت کے لئے اس میں کھلی نشانیاں ہیں ...!!۔ مؤلف}

......میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی آپ کے بھائی کے گھر میں گھس آئے اور خواتین کی عزت پر حملہ کرے تو کیا آپ اس سے نہیں لڑیں گے؟ کیوں نہیں! آپ لازماً اس سے لڑیں گے اور اس کو ماریں گے اور اگر کوئی آپ کے اپنے گھر کی خواتین کی عزت پر حملہ کرے اور ان کو پکڑ کر امریکیوں کے حوالے کر دے (جیسا کہ ڈاکٹر عافیہ) تو کیا پھر بھی اس سے نہیں لڑیں گے؟ اپنی جان کا دفاع اور حفاظت فرض اور لازم ہے۔ میرا تو نقطۂ نظر یہی ہے کہ مجاہدین (پاکستان) نے ازخود کوئی اقدام نہیں کیا بلکہ پاکستان کی حکومت نے اور اس کی فوج نے یہاں کے مجاہدین کو جنگ پر مجبور کیا ہے“۔

(ادارہ السحاب کو دیئے گئے انٹرویوں سے اقتباس بحوالہ ”بنیان مرصوص“ ویڈیو ادارہ حطین)

ملا عبد اللہ حفظہ اللہ کے اس بیان سے اول یہ بات ثابت ہوگئی کہ مجاہدین نے یہ جنگ ازخود شروع نہیں کی بلکہ یہ جنگ پاکستانی حکومت نے امریکہ کے کہنے پر مسلط کی کیونکہ یہ حکومت امریکہ کی گود میں پل رہی ہے! دوم یہ کہ وہ لوگ جو کہ مسلم علاقوں پر کلمہ گو طواغیت کی جانب سے مسلمانوں کی جان ومال اور عزت پر حملہ آور ہونے کے باوجود وہاں کے مسلمانوں کو اپنے دفاع میں مسلح جہاد کے حق سے بھی محروم کر دیتے ہیں اور اس کے لئے لایعنی اور مردود شرائط عائد کر دیتے ہیں، اس بیان سے ان تمام نظریات کی یہاں جڑ کٹ گئی! سوم یہ کہ انہوں نے یہ نوید دی کہ اگر پاکستانی حکومت نے امریکیوں کے ساتھ اپنا تعلق نہیں توڑا تو پاکستان میں اٹھنے والی یہ جہادی تحریک اور زور پکڑ جائے گی یہاں تک کہ کراچی سمیت پورے سندھ اور کوئٹہ سے ہوتے ہوئے یہ تحریک طالبان افغانستان کے مرکز قندھار سے جاملے گی۔

طالبان افغانستان کے سینئر رہنماؤں کے ان بیانات سے ان لوگوں کے ذہنوں کا خناس ان شاء اللہ دور ہو گیا کہ جو کہ جہاد پاکستان پر انگلیاں اٹھاتے ہیں اور یہاں پر خروج و قتال کو غیر شرعی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہاں تک کہ جہاد پاکستان میں علم جہاد بلند کرنے والوں کو خارجی، گمراہ اور فتنہ و فساد کی جڑ قرار دینے کے فتاویٰ جاری کرتے ہیں۔ کیا وہ طالبان افغانستان کے ان رہنماؤں پر بھی ان فتاویٰ کا اطلاق کریں گے......؟؟

ضمیمہ

پاکستان میں خروج و قتال کے فرضیت کی وجوہات

(شیخ حمید اللہ برہان حفظہ اللہ کی کتاب ”من الظلمت الی النور“ سے ایک اقتباس)

چناچہ سلف وصالحین اس بات پر متفق ہیں کہ جو گروہ بھی بغیر ما انزل اللہ کے ساتھ حکومت کرے اور دین اسلام کے مقابلے میں اپنا ایک نظام اور اس کے مطابق قوانین وضع کرے، اور وہ ہو بھی اتنا طاقتور کہ وہ اپنی ایک فوج رکھتا ہو تو اس کے خلاف ”قتال“ فرضِ عین ہو جاتا ہے۔

لہٰذا عصر حاضر میں بلاد اسلامیہ (بشمول پاکستان) پر مسلط طواغیت کے خلاف، اور وہ عالمگیر طاغوتی نظام (U.N.O) جس کے وہ تابعدار ہیں، اس کے انہدام کے لئے قتال امت مسلمہ پر ان کی دو صفات کی بنیاد پر ”فرض عین“ ہو گیا ہے۔ وہ دو صفات یا اسباب درج ذیل ہیں:

(۱) طائفہ ممتنعہ (۲) عدوّ صائل

(۱) طائفة ممتنعة:

شرعی اصطلاح میں اس مراد وہ گروہ ہے جو کہ ”ضروریات دین“ میں سے کسی ایک کا بھی انکاری ہو یا کسی حرام کام کے ارتکاب پر مصر ہو اور ساتھ ہی وہ اتنی قوت و شوکت بھی رکھتا ہو کہ باقائدہ جنگ کئے بغیر اسے ان شرعی احکامات کے پابندی پر مجبور نہ کیا جاسکے۔ علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ ایسے گروہوں کے خلاف قتال کرنا واجب ہے، یہاں تک کہ وہ فرائض کی ادائیگی اور محرمات سے اجتناب کی پابندی قبول کرلیں۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ”طائفة ممتنعة“ کی سزا کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”عِقَابُ الطَّائِفَةِ الْمُمْتَنِعَةِ كَالَّتِي لَا يُقْدَرُ عَلَيْهَا إِلَّا بِقِتَالٍ. فَأَصْلُ هٰذَا هُوَ جِهَادُ الْكُفَّارِ أَعْدَاءِ اللّٰهِ وَ رَسُولِهِ فَكُلُّ مَنْ بَلَغَتْهُ دَعْوَةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

إِلَى دِينِ اللَّهِ الَّذِى بَعَثَهُ بِهِ فَلَمْ يَسْتَجِبْ لَهُ ، فَإِنَّهُ يَجِبُ قِتَالُهُ ﴿حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ﴾''۔

"طائفہ ممتنعہ یعنی وہ گروہ ہے جس کے خلاف قتال کئے بغیر اس پر قدرت پانا ممکن نہ ہو۔ ایسے گروہ کے خلاف قتال کا حکم کفار کے خلاف جہاد کے شرعی حکم ہی پر مبنی ہے، کیونکہ ہر وہ شخص جس تک رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین کی دعوت پہنچ جائے اور وہ اُسے (جزوی یا کلیۃً) قبول نہ کرے تو اس کے خلاف قتال واجب ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ ہی کے لئے خالص ہو جائے"۔

(مجموع الفتاویٰ: ج٦ص٣٩٥)

(٢)عدوّصائل:

شریعت کی اصطلاح میں اس مراد وہ دشمن ہے جو کہ اُن "ضروریات خمسہ" (پانچ بنیادی ضروریات) پر حملہ آور ہو جائے جس کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو نازل فرمایا ہے۔ ضروریات خمسہ پانچ ہیں:

(۱) دین
(۲) جان
(۳) عزت / نسل
(۴) عقل
(۵) مال

"ضروریات خمسہ" ایک شرعی اصطلاح ہے جس کو فقہاء کرام نے احادیث مبارکہ کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے "ضروریات خمسہ" کے دفاع میں مارے جانے والے کو شہید قرار دیا ہے:

((مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ أَهْلِهٖ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دِينِهٖ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دَمِهٖ فَهُوَ شَهِيد))۔

”جو شخص اپنے مال کے دفاع کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے، جو اپنے دین کا تحفظ کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے، جو اپنا جان بچاتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنے اہل خانہ کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ بھی شہید ہے“۔

(النسائی، ج:۱۲ص:۴۶۵رقم:۴۰۲۷۔ مسنداحمد، ج:۴ص:۷۶رقم:۱۵۶۵۔ وابوداود، ج:۱۲ص:۳۸۸رقم:۴۱۴۲۔ الترمذی، ج:۵ص:۳۱۵رقم:۱۳۴۱وقال الترمذی: حدیث حسن صحیح)

درج بالا حدیث میں چار چیزوں کا ذکر ہے جبکہ ایک اور حدیث میں پانچویں چیز کا ذکر یوں ہے:

((مَنْ قُتِلَ دُونَ مَظْلَمَتِهٖ فَهُوَ شَهِيدٌ))

”جو شخص اپنے حق کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے“۔

(سنن النسائی، ج:۱۲، ص:۴۶۱رقم:۴۰۲۵۔ مسنداحمد، ج:۲ ص:۱۷۵رقم:۲۶۴۳)

ضروریاتِ دین میں فقہاء کرام کی قرآن و سنت کی روشنی میں بیان کردہ ترتیب کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اس ترتیب کے مطابق دین کی حفاظت جان، عزت، عقل اور مال سب پر مقدم ہے۔ اس لئے اگر دشمن حملہ آور ہو جائے اور دین داؤ پر لگ جائے تو شریعت یہی حکم دیتی ہے کہ دفاع دین کی خاطر اپنا سب کچھ، حتیٰ کہ اپنی جان تک قربان کر دی جائے، اور یہ تجزیہ اور بحث و مباحثہ کرنے میں وقت نہ ضائع کیا جائے کہ قتال کرنے سے فائدہ زیادہ ہو گا یا نقصان، کیونکہ اسلام کی نگاہ میں دین کے نقصان سے بڑا اور کوئی نقصان نہیں۔ اسی ترتیب کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ بات سمجھنا بھی آسان ہو جاتا ہے کہ ”عدوّ صائل“ کے خلاف دفاعی جہاد فرض عین نہیں بلکہ ”اہم ترین فرض عین“ ہے۔

عصر حاضر کے طواغیت بطور طائفہ ممتنعہ:

امت مسلمہ پر مسلط عصر حاضر کے طواغیت نہ صرف اکثر ”ضروریات دین“ اور محرمات کی حرمت کے انکاری ہیں بلکہ انہوں نے عالمگیر طاغوتی نظام کے اصول و ضوابط کے مطابق اپنا اپنا ایک نظام وضع کیا ہوا ہے اوران کے ساتھ ایک اپنی قوت نافذہ افواج کی شکل میں موجود ہے اور اگر ان افواج کی ناکامی کی صورت میں ان طواغیت یاان کے نظام حکومت کو خطرہ لاحق ہو جائے تو پھر وہ عالمگیر طاغوتی نظام جس کے چارٹر کے آگے ان طواغیت نے سر تسلیم خم کیا ہوا ہے، اپنی ”امن افواج“ کو ”قیام امن“ کے نام پر حرکت میں لے آتا ہے۔ چناچہ یہ طواغیت ان وجوہات کی بناء پر ”طائفہ ممتنعہ“ کی صورت اختیار کر چکے ہیں اور ان کے خلاف قتال ”فرض عین“ ہو چکا ہے۔

محترم جناب مفتی شفیع رحمہ اللہ، سورۃ المائدۃ کی آیت ۵۴ کی روشنی میں اللہ کی نازل کردہ شریعت کے احکامات کا انکار کرنے والوں کے خلاف قتال کے حوالے سے سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک خطبہ کو نقل کرتے ہیں:

> ”جو لوگ مسلمان ہونے کے بعد رسول کریم ﷺ کے دئے ہوئے احکام و قوانین اور قانونِ اسلام کا انکار کریں، تو میرا فرض ہے کہ میں ان کے خلاف جہاد کروں، اگر میرا مقابلہ پر وہ تمام جن وانس اور دنیا کے شجر و حجر سب کو جمع کر لائیں، اور کوئی میرا ساتھی نہ ہو، تب بھی میں تنہا اپنی گردن سے اس جہاد کو انجام دوں گا۔“

(معارف القرآن، جلد سوم، ص۱۷۶)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَفِيهِ وُجُوب قِتَال مَانِعِي الزَّكَاة أَوْ الصَّلَاة أَوْ غَيْرهمَا مِنْ وَاجِبَات الْإِسْلَام قَلِيلًا كَانَ أَوْ كَثِيرًا لِقَوْلِهِ رَضِيَ اللَّه عَنْهُ: لَوْ مَنَعُونِي عِقَالًا أَوْ عَنَاقًا“

”اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو (ممتنع) گروہ بھی زکوٰۃ، نماز یا واجبات اسلام میں سے کسی بھی چھوٹے بڑے واجب کی ادائیگی سے انکار کرے تو اس سے لڑنا واجب ہے کیونکہ ابو بکر

صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ اگر یہ لوگ ایک رسی یا ایک بکری کا بچہ بھی ادا کرنے سے انکار کریں (تو میں اس پر بھی ان کے خلاف قتال کروں گا)“۔

(شرح النووی علیٰ مسلم، ج١ص٩٤ رقم: ٣٢)

علامہ ابن ابطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”قال المهلب: وإنما قاتل أبو بكر الصديق الذين منعوا الزكاة، لأنهم امتنعوا بالسيف، ونصبوا الحرب للأمة۔ واجمع العلماء أن من نصب الحرب فى منع فريضة، أو منع حقا يجب عليه لآدمى أنه يجب قتاله، فإن أبي القتل على نفسه فدمه هدر“

”مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف اسی لئے قتال کیا تھا کہ انہوں نے تلوار کے زور پر زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کیا اور اس کی خاطر امت سے جنگ پر بھی آمادہ ہو گئے، اور اس بات پر تو علمائے کرام کا اجماع ہے کہ جو شخص کسی فریضے کی ادائیگی یا کسی شخص کے حق کی ادائیگی سے انکاری ہو اور اس پر اڑے رہنے کی خاطر جنگ کے لئے بھی تیار ہو تو اس کے خلاف قتال کرنا فرض ہے۔ پھر اگر وہ اس لڑائی میں مارا جائے تو اس کا خون رائیگاں ہو گا“۔(شرح صحیح البخاری لابن بطال: ج٦ص١٢٤)

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ صرف نماز یا زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکاری کے خلاف قتال نہیں کیا جائے گا بلکہ یہاں اس سے مراد تمام اوامر و نواہی ہیں۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ سورۃ التوبہ کی آیت ٥ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”ولهذا اعتمد الصديق، رضى الله عنه، فى قتال مانعى الزكاة على هذه الآية الكريمة وأمثالها، حيث حرمت قتالهم بشرط هذه الأفعال، وهى الدخول فى الإسلام، والقيام بأداء واجباته۔ ونبه بأعلاها على أدناها“۔

''ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف قتال کے لئے اس آیت مبارکہ اور اس جیسی دیگر آیات کو بنیاد بنایا تھا، کیونکہ ان میں قتال کی حرمت چند افعال سے مشروط کی گئی ہے۔ یعنی جب کوئی شخص اسلام میں داخل ہو جائے یعنی اور واجبات اسلام کی پابندی قبول کر لے تو اس کے خلاف قتال جائز نہیں رہتا (ورنہ بصورت دیگر قتال فرض عین ہے)۔ اس آیت میں (اسلام کے) اہم ترین واجبات (یعنی نماز اور زکوٰۃ) کا تذکرہ کر کے واجباتِ اسلام ہی کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے''۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۱)

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اَلْاَمْرُ عِنْدَنَا أَنَّ كُلَّ مَنْ مَنَعَ فَرِيضَةً مِنْ فَرَائِضِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَلَمْ يَسْتَطِعْ الْمُسْلِمُونَ أَخْذَهَا كَانَ حَقًّا عَلَيْهِمْ جِهَادُهُ حَتَّى يَأْخُذُوهَا مِنْهُ''

''ہمارے نزدیک یہ ایک ثابت شدہ شرعی حکم ہے جو شخص بھی اللہ عزوجل کے فرض کردہ امور میں سے کسی فرض کی ادائیگی روک دے اور (وہ ہو بھی اتنا صاحبِ قوت و شوکت کہ) مسلمان اسے اس فرض کی بجا آوری کا پابند نہ کر پائیں، تو اس سے جہاد کرنا ان سب پر واجب ہو گا (نہ یہ کہ اس کی اطاعت ''تسلیم'' کر لی جائے) یہاں تک کہ اس سے زبردستی وہ شرعی حق وصول کر لیا جائے''۔ (موطا امام مالك، ج۲ ص۲۹۷)

امام ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فَقَدْ اتَّفَقَتْ الْاُمَّةُ عَلَى أَنَّ مَنْ يَفْعَلُ الْمَعْصِيَةَ يُحَارَبُ ، كَمَا لَوْ اتَّفَقَ أَهْلُ بَلَدٍ عَلَى الْعَمَلِ بِالرِّبَا ، وَعَلَى تَرْكِ الْجُمُعَةِ وَالْجَمَاعَةِ''

''پوری امت اس بات پر متفق ہے کہ جو (طائفہ ممتنعہ) بھی معصیت پر اصرار کرے، اس کے خلاف جنگ کی جائے گی (تو پھر کفر پر کیا معاملہ ہو گا) مثلاً اگر کسی علاقے والے سودی لین دین کرنے یا نمازِ جمعہ اور باجماعت نماز ترک کرنے پر متفق ہو جائیں (تو ان کے خلاف جنگ کی جائے گی)''۔ (احکام القرآن لابن العربی ج۳ ص۱۵۷)

علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وأجمع العلماء على من نصب الحرب فى منع فريضة أومنع حقاً يجب عليه لآدمي وجب قتاله فان أتى القتل على نفسه فدمه هدر''۔

"اس بات پر علمائے کرام کا اجماع ہے کہ جو شخص کسی فریضے کی ادائیگی یا کسی شخص کے حق کی ادائیگی سے انکاری ہو اور اس پر اڑے رہنے کی خاطر جنگ کے لئے بھی تیار ہو، تو اس کے خلاف قتال کرنا واجب ہے۔ پھر اگر وہ اس لڑائی میں مارا جائے تو اس کا خون رائیگاں ہو گا"۔

(عمدۃ القاری: ۳۴/۲۱۰)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''و كل طائفة ممتنعة عن شريعة من شرائع الاسلام الظاهرة المعلومة يجب قتالها ولو تشهدوا۔ مثل أن لايصلوا ، أولا يزكوا ، أولايصوموا ، أولا يحجوا البيت ، أو قالوا نفعل هذا ولاندع الخمر ، ولاالزنا ، أوالربا ، أوالفواحش ، أولا نجاهد ، أولا نضرب الجزية على أهل الذمة ، أونحوذلك ، قوتلوا حتى يكون الدين كله لله''

"قوت و شوکت کے حامل ہر وہ گروہ (یعنی طائفہ ممتنعہ) جو اسلام کے مشہور و معلوم احکامات میں سے کسی ایک بھی حکم کی بجا آوری سے انکار کرے، اس سے لڑنا واجب ہے، اگرچہ وہ گروہ کلمہ گو (مسلمانوں) پر ہی کیوں نہ مشتمل ہو۔ مثلاً اگر کوئی گروہ نماز پڑھنے یا زکوٰۃ ادا کرنے یا روزے رکھنے یا بیت اللہ کا حج کرنے سے انکار کر دے۔ یا مثلاً وہ یہ کہے کہ ہم یہ سب فرائض تو ادا کریں گے لیکن شراب نوشی اور زنا نہیں چھوڑیں گے یا سود ترک نہیں کریں گے یا فواحش سے باز نہیں آئیں گے یا ہم جہاد نہیں کریں گے یا ہم ذمیوں پر جزیہ عائد نہیں کریں گے وغیرہ۔ تو ایسے گروہ کے خلاف قتال کیا جائے گا، یہاں تک کہ پورے کا پورا دین اللہ کے لئے خالص ہو جائے"۔(مختصر الفتاویٰ المصریۃ ۱/۱۶۷)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

''كُلُّ طَائِفَةٍ خَرَجَتْ عَنْ شَرِيعَةٍ مِنْ شَرَائِعِ الْإِسْلَامِ الظَّاهِرَةِ الْمُتَوَاتِرَةِ فَإِنَّهُ يَجِبُ قِتَالُهَا بِاتِّفَاقِ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ ، وَإِنْ تَكَلَّمَتْ بِالشَّهَادَتَيْنِ۔ فَإِذَا أَقَرُّوا بِالشَّهَادَتَيْنِ وَامْتَنَعُوا عَنْ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ وَجَبَ قِتَالُهُمْ حَتَّى يُصَلُّوا. وَإِنْ امْتَنَعُوا عَنْ الزَّكَاةِ وَجَبَ قِتَالُهُمْ حَتَّى يُؤَدُّوا الزَّكَاةَ وَكَذَلِكَ إِنْ امْتَنَعُوا عَنْ صِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ أَوْ حَجِّ الْبَيْتِ الْعَتِيقِ. وَكَذَلِكَ إِنْ امْتَنَعُوا عَنْ تَحْرِيمِ الْفَوَاحِشِ أَوْ الزِّنَا أَوْ الْمَيْسِرِ أَوْ الْخَمْرِ أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ مِنْ مُحَرَّمَاتِ الشَّرِيعَةِ۔ وَكَذَلِكَ إِنْ امْتَنَعُوا عَنْ الْحُكْمِ فِي الدِّمَاءِ وَالْأَمْوَالِ وَالْأَعْرَاضِ وَالْأَبْضَاعِ وَنَحْوِهَا بِحُكْمِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ. وَكَذَلِكَ إِنْ امْتَنَعُوا عَنْ الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنْ الْمُنْكَرِ وَجِهَادِ الْكُفَّارِ إِلَى أَنْ يُسْلِمُوا وَيُؤَدُّوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ''۔

''تمام مسلمان اس امر پر متفق ہیں کہ ہر اُس (ممتنع) گروہ کے خلاف قتال واجب ہے جو اسلام کے مشہور و متواتر احکام کی بجا آوری ترک کر دے، اگرچہ وہ شہادتین کا اقرار کرتا ہو۔ مثلاً اگر وہ شہادتین کا اقرار کرنے کے بعد پانچ نمازیں پڑھنے سے انکار کر دیں تو ان کے خلاف قتال واجب ہو گا یہاں تک کہ وہ نماز پڑھنے لگیں۔ اسی طرح اگر وہ زکوۃ کی ادائیگی سے انکار کریں تب بھی ان سے لڑنا واجب ہو گا یہاں تک کہ وہ زکوۃ ادا کرنے لگیں۔ ایسے ہی اگر وہ رمضان کے رکھنے یا حج بیت اللہ کرنے سے انکار کریں تو بھی ان کے خلاف قتال واجب ہو گا۔ پھر اسی طرح اگر وہ فواحش یا زنا یا جوئے یا شراب کی حرمت کا پابند رہنے سے انکار کریں تو بھی ان کا یہی حکم ہو گا۔ نیز اگر وہ اپنے جان و مال، عزت و آبرو اور شادی بیاہ جیسے معاملات میں کتاب و سنت کے مطابق فیصلے کرنے سے انکار کر دیں، یا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ بجالانے سے انکاری ہو، یا کفار کے مسلمان ہونے یا ذلیل بن کر جزیہ دینے تک جہاد جاری رکھنے سے انکار کریں، تب بھی ان کے خلاف قتال کرنا واجب ہو گا''۔

(الفتاوىٰ الکبریٰ لابن تیمیة، ج٦ص٤٢٦)

مزید فرماتے ہیں:

''فأيما طائفة امتنعت عن بعض الصلوات المفروضات، أوالصيام، أو الحج، وعن التزام تحريم الدماء، والاموال، والخمر، والزنا، والميسر أو عن نكاح ذوت المحارم، وعن التزام جهاد الكفار و ضرب الجزية على أهل الكتاب، وغير ذلك من واجبات الدين ومحرماته، التى لاعذر لأحد فى جهودها وتركها، التى يكفر الجاحد لوجوبها، فان الطائفة الممتنعة تقاتل وان كانت مقرة بها، وهذا ممالا أعلم فيه خلافاً بين العلماء''۔

''پس جو طائفۂ ممتنعہ بھی بعض فرض نمازوں یا روزے یا حج کی ادائیگی سے انکار کرے، یا (اسی طرح کسی کی) جان ومال (پر ناحق تجاوز کرنے) کی حرمت اور شراب، زنا، جوئے اور محرم رشتہ داروں سے نکاح کی حرمت کا پابند رہنے سے انکار کرے، یا کفار کے خلاف جہاد کے التزام یا اہل کتاب پر جزیہ عائد کرنے سے انکار کرے، یا ان دیگر فرائض پر عمل یا محرمات سے اجتناب کرنے سے انکاری ہو جائے جنہیں نہ تو ترک کرنے کی شرعاً گنجائش ہے، نہ ان کی فرضیت یا حرمت کے انکار کی کوئی گنجائش ہے، بلکہ جن کی فرضیت یا حرمت کا انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ تو ہر ایسے طائفۂ ممتنعہ کے خلاف قتال کیا جائے گا، خواہ وہ (فرائض کی) فرضیت یا (حرام کی) حرمت کا اعتراف ہی کیوں نہ کرتا ہو (اور محض ان کی ادائیگی سے انکار کر رہا ہو)۔ میرے علم میں نہیں کہ علماء میں سے کوئی بھی اس مسئلے سے اختلاف کرتا ہے''۔(الأسئلة والأجوبة الفقهية المقرونة، الجزء الثالث)

''فَإِنَّ اللَّهَ يَقُولُ فِي الْقُرْآنِ: ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ﴾ وَالدِّينُ هُوَ الطَّاعَةُ فَإِذَا كَانَ بَعْضُ الدِّينِ لِلَّهِ وَبَعْضُهُ لِغَيْرِ اللَّهِ وَجَبَ الْقِتَالُ حَتَّى يَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ، وَلِهَذَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ ﴿فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ وَهَذِهِ الْآيَةُ نَزَلَتْ فِي أَهْلِ الطَّائِفِ لَمَّا دَخَلُوا فِي الْإِسْلَامِ وَالْتَزَمُوا الصَّلَاةَ وَالصِّيَامَ ، لَكِنْ امْتَنَعُوا مِنْ تَرْكِ الرِّبَا۔ فَبَيَّنَ اللَّهُ أَنَّهُمْ مُحَارِبُونَ لَهُ وَلِرَسُولِهِ إِذَا لَمْ يَنْتَهُوا عَنْ الرِّبَا. وَالرِّبَا هُوَ آخِرُ مَا حَرَّمَهُ اللَّهُ وَهُوَ مَالٌ يُؤْخَذُ بِرِضَا صَاحِبِهِ .فَإِذَا كَانَ هَؤُلَاءِ مُحَارِبِينَ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ يَجِبُ جِهَادُهُمْ فَكَيْفَ بِمَنْ يَتْرُكُ كَثِيرًا مِنْ شَرَائِعِ الْإِسْلَامِ أَوْ أَكْثَرَهَا كَالتَّتَارِ''

''بے شک اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:''اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ ہی کے لئے ہو جائے۔'' بس دین (کلی) اطاعت کا نام ہے اور جب دین (نظام) کچھ اللہ کے لئے ہو اور کچھ غیر اللہ کے لئے تو قتال فرض ہو جاتا ہے یہاں تک کہ دین کل کا کل اللہ کے لئے ہو جائے۔ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جو سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔ پس اگر تم باز نہ آئے تو تمہارے خلاف اللہ اور اس کے رسول کا اعلان جنگ ہے۔'' یہ آیات نازل ہوئی تھی اہل طائف کے بارے میں جبکہ وہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور نماز و روزہ کا بھی التزام کر رہے تھے لیکن انہوں نے سود کو ترک کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ جب تک وہ سود نہیں چھوڑتے وہ اس وقت تک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف اعلان جنگ کی حالت میں ہیں۔ سود وہ آخری چیز ہے جس کو اللہ نے قرآن میں حرام ٹھہرایا اور یہ وہ مال ہے جو برضا ورغبت صاحب مال سے لیتا ہے۔ پس جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کرنے والے سود کے عدم تارکین کے خلاف جہاد واجب ہے تو تاتاریوں کی طرح اکثر شعائر اسلام کو ترک کرنے والوں کا معاملہ کیا ہو گا''۔(مجموع الفتاویٰ لابن تیمیة ، ج:٦ص:٤٢٧)

اگر کوئی طائفہ ممتنعہ کسی متواتر سنت کا بھی انکاری ہو تو اس کے خلاف بھی قتال کیا جائے گا۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ یہ مسئلہ بیان کرتے ہیں:

''فثبت بالکتاب والسنة واجماع الامة ، انه یقاتل من خرج عن شریعة الاسلام ، وان تکلم بالشهادتین۔ وقد اختلف الفقهاء في الطائفة الممتنعة ، لو ترکت السنة الراتبة ، کرکعتی الفجر ، هل یجوز قتالها ، علی قولین۔ فاما الوجبات والحرمات الظاهرة والمستفیضة ، فیقاتل علیها بالاتفاق''

''پس کتاب اور اجماع امت سے ثابت ہو گیا کہ اس جماعت سے قتال و جنگ کی جائے جو شریعت اسلام سے خارج ہو اگرچہ وہ شہادتین (کلمہ) کا زبان سے اقرار کریں۔ فقہاء کہتے ہیں کہ اگر کوئی طائفہ ممتنعہ سنت کی مزاحمت کرے اور اسے ترک کرنے پر کمربستہ ہو مثلاً فجر کی دو سنتوں کا انکار کرے تو دونوں اقوال کے مطابق ان سے جنگ کی جائے ، اور اگر واجبات اور ثابت شدہ محرمات ظاہرہ و مشہورہ سے انکار کرے تو بالاتفاق ان سے جنگ کی جائے''۔ (السیاسة الشرعیة ، ص:۱۲۲)

''وأیما طائفة انتسبت الی الاسلام ، وامتنعت من بعض شرائعه الظاهرة المتواترة ، فانه یجب جهادها باتفاق المسلمین ، حتی یکون الدین کله لله ، کماقاتل أبوبکر الصدیق رضی الله عنه وسائرالصحابة رضی الله عنهم مانعي الزکاة ، وکان قد توفق في قتالهم بعض الصحابة ، ثم اتفقوا''

''وہ گروہ جس کی نسبت اسلام کی طرف ہوتی ہو اور وہ مسلمان کہلاتا ہو، لیکن بعض شرعی قوانین سے وہ احتراز کرے یا منع کرے اور وہ شرعی قوانین ایسے ہوں جو ظاہر اور متواتر ہوں تو ان سے جہاد کرنا واجب ہے، اس پر تمام مسلمان متفق ہیں کہ ایسے لوگوں کے خلاف جہاد و قتال کرنا فرض ہے یہاں تک کہ دین کل کا کل اللہ کے لئے ہو جائے جیسا کہ امیر المؤمنین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زکوٰۃ نہ

دینے والوں کے خلاف جہاد کیا۔ گو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ابتداء میں اس سے اختلاف کیا لیکن بعد میں سب متفق ہو گئے“۔ (السیاسۃ الشرعیۃ، ص:۱۲۰)

عصر حاضر کے طواغیت بطور عدوّ صائل:

بلاد اسلامیہ پر مسلط عصر حاضر کے طواغیت اور ان کا وضع کردہ نظام حکومت ”طائفۂ ممتنعہ“ کی صورت اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ اب ”ضروریاتِ خمسہ“ کے لئے ”عدوّ صائل“ بھی بن چکا ہے کیونکہ یہ سب شرعی احکامات سے انکار پر مصر اور شریعت کے نفاذ سے انکاری ہیں بلکہ عامۃ المسلمین کو بھی شریعت پر عمل سے روکتے ہیں، شرق و غرب کے شیطانی قوانین ان پر جبراً مسلط کرتے ہیں۔

غرضیکہ یہ طواغیت مسلمانوں کے دین پر بھی حملہ آور ہو چکے ہیں اور انہیں شریعت پر عمل سے روکنے اور ان گنت فرائض و واجبات کے ترک پر مجبور کرنے کے لئے اپنی تمام قوت و شوکت اور میسر وسائل استعمال کر رہے ہیں۔ پھر صرف یہی نہیں ، بلکہ ان دشمنان دین کی دسترس سے مسلمانوں ، بالخصوص دین دار مسلمانوں کے جان، مال اور عزت غرض یہ کہ کچھ بھی محفوظ نہیں۔

یہ تو رہزنوں (قطاع الطریق) سے بھی بڑے مفسد ہیں، کیونکہ وہ تو محض چند مخصوص راستوں پر بیٹھ کر کسی محدود تعداد میں گزرنے والے لوگوں پر رستہ تنگ کرتے ہیں اور ان کے جان و مال خطرے میں ڈالتے ہیں...... لیکن یہ بدبخت تو پوری ریاستی قوت کے ساتھ کروڑوں مسلمانوں کے دین، ایمان اور عقیدے پر ہر پہلو سے وار کرتے ہیں۔ پھر جو مسلمان بھی دین پر عمل کرنے کے لئے جتنا آگے بڑھتا ہے ان طواغیت کی فوج، پولیس اور خفیہ اداروں کے ہاتھوں اس کی جان، مال اور عزت پامال ہونے کا خطرہ اتنا ہی بڑھتا جاتا ہے۔ یہ طواغیت دین کی تمام اقدار مٹانا چاہتے ہیں، عقائد ہو یا فقہی احکامات، سیاسیات ہو یا اقتصادی معاملات، معاشرت ہو یا عمومی اخلاقیات، تمام شعبہ ہائے زندگی سے اسلام کو بے دخل کرنا ان کا سوچا سمجھا ہدف ہے۔ لہٰذا زمین پر اس سے بڑھ کر فساد کی کوئی اور صورت نہیں پائی جا سکتی۔

یہ شیاطین صفت طواغیت ہر اعتبار سے مسلمانوں کے دین و دنیا پر حملہ آور (عدو صائل) ہیں۔ پس ''عدوّصائل'' کے خلاف دفاع ایک ثابت و محکم شرعی حکم ہے۔ لہٰذا شرعاً ان پر ''طائفہ ممتنعہ'' کے ساتھ ساتھ ''عدوّصائل'' کا حکم بھی چسپاں ہو گا۔ اور اسی لئے ان کے خلاف ''دفاعی قتال'' بغیر کسی شرط کے فرض عین ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وَأَمَّا قِتَالُ الدَّفْعِ فَهُوَ أَشَدُّ أَنْوَاعِ دَفْعِ الصَّائِلِ عَنْ الْحُرْمَةِ وَالدِّينِ فَوَاجِبٌ إجْمَاعًا فَالْعَدُوُّ الصَّائِلُ الَّذِي يُفْسِدُ الدِّينَ وَالدُّنْيَا لَا شَيْءَ أَوْجَبَ بَعْدَ الْإِيمَانِ مِنْ دَفْعِهِ فَلَا يُشْتَرَطُ لَهُ شَرْطٌ بَلْ يُدْفَعُ بِحَسَبِ الْإِمْكَانِ. وَقَدْ نَصَّ عَلَى ذَلِكَ الْعُلَمَاءُ أَصْحَابُنَا وَغَيْرُهُمْ''۔

''اور جہاں تک دفاعی قتال کی بات ہے تو دین اور حرمتوں پر حملہ آور دشمن کے خلاف اپنے دفاع کی سب سے موئثر صورت یہی ہے اور اسی لئے یہ بالاجماع واجب ہے۔ ایمان لانے کے بعد اس سے بڑا فرض کوئی نہیں کہ دین و دنیا کو برباد کرنے کے درپے حملہ آور دشمن کو پچھاڑا جائے۔ اس قتال (کی فرضیت) کے لئے کوئی شرط نہیں، بلکہ ہر ایک (پر لازم ہے کہ وہ) حسب استطاعت دشمن کو پچھاڑنے میں اپنا حصہ ڈالے۔ ہمارے اصحاب اور دیگر علمائے کرام نے یہ مسئلہ بالکل صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے''۔

(الفتاویٰ الکبریٰ لابن تیمیة ، ج۸ص۳۹۹)

امام ابو بکر الجصاص الحنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وَكَذَلِكَ حُكْمُ مَنْ يَأْخُذُ أَمْوَالَ النَّاسِ مِنْ الْمُتَسَلِّطِينَ الظَّلَمَةِ وَآخِذِي الضَّرَائِبِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ الْمُسْلِمِينَ قِتَالُهُمْ وَقَتْلُهُمْ إذَا كَانُوا مُمْتَنِعِينَ ، وَهَؤُلَاءِ أَعْظَمُ جُرْمًا مِنْ آكِلِي الرِّبَا لِانْتِهَاكِهِمْ حُرْمَةَ النَّهْيِ وَحُرْمَةَ الْمُسْلِمِينَ جَمِيعًا. وَآكِلُ الرِّبَا إنَّمَا انْتَهَكَ حُرْمَةَ اللَّهِ تَعَالَى فِي أَخْذِ الرِّبَا وَلَمْ يَنْتَهِكْ لِمَنْ يُعْطِيهِ ذَلِكَ حُرْمَةً ، لِأَنَّهُ أَعْطَاهُ بِطِيبَةِ نَفْسِهِ. وَآخِذُو الضَّرَائِبِ فِي مَعْنَى قُطَّاعِ الطَّرِيقِ الْمُنْتَهِكِينَ

لِحُرْمَةِ نَهْيِ اللَّهِ تَعَالَى وَحُرْمَةِ الْمُسْلِمِينَ ، إِذْ كَانُوا يَأْخُذُونَهُ جَبْرًا وَقَهْرًا لَا عَلَى تَأْوِيلٍ وَلَا شُبْهَةٍ ، فَجَائِزٌ لِمَنْ عَلِمَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ إِصْرَارَ هَؤُلَاءِ عَلَى مَا هُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَخْذِ أَمْوَالِ النَّاسِ عَلَى وَجْهِ الضَّرِيبَةِ أَنْ يَقْتُلَهُمْ كَيْفَ أَمْكَنَهُ قَتْلُهُمْ ، وَكَذَلِكَ أَتْبَاعُهُمْ وَأَعْوَانُهُمْ الَّذِينَ بِهِمْ يَقُومُونَ عَلَى أَخْذِ الْأَمْوَالِ“

”اسی طرح ان ظالموں کا حکم بھی یہی ہے جو لوگوں پر (بطور حاکم) مسلط ہو کر ان کے مال ناحق چھینتے ہیں اور ان سے ناجائز محصولات (ٹیکس) بٹورتے ہیں۔ اگر یہ لوگ طائفہ ممتنعہ (طاقتور گروہ) کی صورت میں ہوں تو ان کے خلاف قتال کرنا اور انہیں قتل کرنا تمام مسلمانوں پر واجب ہو گا۔ یہ لوگ تو سود خوروں سے بھی بڑے مجرم ہیں، کیونکہ یہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کے احکامات کی حرمت پامال کرتے ہیں، بلکہ مسلمانوں کی حرمت کا بھی پاس نہیں کرتے۔ اس کے برعکس سود خور حکم الٰہی کی حرمت تو یقیناً پامال کرتا ہے، لیکن سود دینے والے کی حرمت پامال نہیں کرتا، کیونکہ وہ تو اپنی رضا سے سود دیتا ہے۔ ناحق محصولات لینے والے ان ظالموں کا حکم تو اُن رہزنوں (قطاع الطریق) کا سا ہے جو اللہ کی حدود کو بھی روندتے ہیں اور مسلمانوں (کے اموال) کی حرمت بھی پامال کرتے ہیں۔ یہ بھی رہزنوں کی طرح کسی تاویل یا شبہے کے بغیر جبراً و قہراً (مسلمانوں کا) مال غصب کرتے ہیں۔ پس جو مسلمان بھی ایسے لوگوں کو جانتا ہو جو محصولات کے نام پر مسلمانوں کا مال ناحق لوٹتے ہوں اور اس پر مصر بھی رہیں، اس کے لئے جائز ہے کہ (ٹیکس دینے کے بجائے) کسی بھی ممکنہ طریقے سے ان ظالموں کو قتل کر ڈالے۔ اسی طرح ہر مسلمان کے لئے ان کے پیروکاروں و مددگاروں کو قتل کرنا بھی جائز ہو گا کہ جن کے بل پر یہ عام لوگوں سے ناحق مال چھیننے کی قابل ہوتے ہیں“۔ (احکام القرآن للجصاص، ج۳، ص:۱۹۱)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فَعُلِمَ أَنَّ مُجَرَّدَ الِاعْتِصَامِ بِالْإِسْلَامِ مَعَ عَدَمِ الْتِزَامِ شَرَائِعِهِ لَيْسَ بِمُسْقِطٍ لِلْقِتَالِ. فَالْقِتَالُ وَاجِبٌ حَتَّى يَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ وَحَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ. فَمَتَى كَانَ الدِّينُ لِغَيْرِ اللَّهِ فَالْقِتَالُ وَاجِبٌ۔''

''تو معلوم ہوا کہ جب تک اسلام کے احکامات کی عملاً پابندی نہ ہو جائے، اس وقت تک اسلام کو خالی اپنا لینے سے قتال ساقط نہیں ہو جاتا، اس لئے جب تک دین کل کا کل ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کے لئے نہ ہو جائے اور جب تک فتنہ ختم نہ ہو جائے قتال ''واجب'' ہے۔ چنانچہ جب دین (اطاعت و پابندی حکم و قانون) غیر اللہ کے لیے ہو جائے تو قتال واجب ہو جاتا ہے''۔ (مجموع الفتاوىٰ لابن تيمية، ج٦ص٤٢٥)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ''فتح الباری'' میں اور امام ابن حبان رحمہا اللہ نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کرتے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب (صلح حدیبیہ کے ایک سال بعد) عمرۂ قضا کے لیے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کے آگے آگے یہ ''رجزیہ'' اشعار پڑھتے جا رہے تھے:

خلوا بني الكفار عن سبيله

قد انزل الرحمٰن في تنزيله

بان خير القتل في سبيله

نحن قتلنا لكم على تاويله

كما قتلناكم على تنزيله

ترجمہ: اے کافروں کی اولاد! رسول اللہ ﷺ کا راستہ چھوڑ دو، بے شک مہربان اللہ نے اپنے کلام میں فرمایا ہے کہ: ''بہترین قتل وہ ہے جو اس کی راہ میں ہو''۔

(لہٰذا) ہم تم کو قتل کریں گے اس قرآن کی مراد (یعنی معانی واحکامات) منوانے پر بھی، جیسا کہ ہم نے تم کو قتل کیا ہے اس کے نزول کے منوانے پر۔

(رواہ الطبرانی ورجالہ رجال الصحیح ، مجمع الزوائد ، ج:٦ ، ص:١٤٧۔فتح الباری لابن حجرؒ، ج:١٢ص:٦٥)

امام العصر حضرت انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اس روایت کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" یہ روایت "نصِ صحیح " ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن کریم کے وہ معانی و مصادیق جن پر صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف صالحینؒ کا اجماع ہو چکا ہے، ان کو منوانے اور تسلیم کرانے پر بھی اسی طرح جنگ کی جائے گی جیسے قرآن کو کلام اللہ اور منزل من اللہ منوانے کے لئے جنگ کی گئی ہے۔" (اکفار الملحدین ، ص١٤٢)

☆☆☆☆☆

عصرِ حاضر میں اقامت دین کا واحد طریقہ
"جہاد فی سبیل اللہ"

جیسا کہ ہم سمجھ چکے ہیں کہ سقوطِ خلافت کے بعد دورِ حاضر کے عظیم فتنوں میں سے سب سے بڑا فتنہ ایسے طواغیت کا بلادِ اسلامیہ پر مسلط ہو جانا ہے جو کہ ایک طرف اللہ کی نازل کردہ شریعت کو چھوڑ کر اپنی خواہشاتِ نفس یا اغیار کے وضع کردہ قوانین کو نافذ کر رہے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہود وہنود اور نصاریٰ کی جانب سے برپا کردہ صلیبی جنگ میں ان کو لاجسٹک سپورٹ فراہم کرنے، اپنی فضاء اور بحر وبر ان کے حوالے کر دینے کے علاوہ، تمسک فی الدین کی وجہ سے مسلمانوں کے قتل عام کرنے اور مسلمان مرد وخواتین کو چند ڈالروں کے عوض یہود ونصاریٰ کے ہاتھوں بیچ دینے جیسے کافر ومرتد بنا دینے والے افعال سے بھی گریزاں نہیں ہیں۔

چنانچہ ایسی صورتحال میں بلا کسی شک وتردد کے یہ بات واضح ہو چکی کہ آج امت مسلمہ پر اقامت دین، شریعت کے نفاذ یا بالفاظ دیگر خلافت کے قیام کے لئے شریعت کا مقرر کردہ حکم "قتال فی سبیل اللہ" ہر مسلمان مرد وزن پر "فرض عین" ہو چکا ہے، جس سے انکار کسی صورت ممکن نہیں۔

چنانچہ اقامت دین کے لئے کھڑی ہونے والی جو جماعت بھی شریعت اسلامی کے مقرر کردہ طریقہ واضح ہونے کے بعد بھی اس کو چھوڑ کر کسی اور طریقے کو اختیار کرتی ہے جو کہ شریعت کے مقرر کردہ اصولوں کے بالکل بر خلاف ہو تو اس جماعت کا یہ عمل دراصل اس بات کی علامت کہ وہ شریعت کے مقرر کردہ طریقہ کار کو دوسرے طریقے کار کے مقابلے میں ناقص اور ناقابل عمل سمجھتی ہے یا پھر ان شرعی احکامات سے انحراف کے راستے پر گامزن ہے جس سے اظہار لاتعلقی اور برأت ہر مسلمان اور خاص کر اس جماعت کے متعلقین واحباب پر لازم ہے۔

غرضیکہ قرآن و سنت اور سلف وخلف کے طرز عمل سے یہ بات صراحت کے ساتھ واضح ہوچکی کہ تاقیام قیامت ''جہاد فی سبیل اللہ'' ہی وہ واحد طریقہ ہے جو اپنے شرعی واصطلاحی معانی:

((وَمَا الْجِهَادُ قَالَ أَنْ تُقَاتِلَ الْكُفَّارَ إِذَا لَقِيتَهُمْ قَالَ فَأَيُّ الْجِهَادِ أَفْضَلُ قَالَ مَنْ عُقِرَ جَوَادُهُ وَأُهْرِيقَ دَمُهُ))

''پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! جہاد کیا چیز ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جہاد یہ ہے کہ تم مقابلے کے وقت کفار سے لڑو، کہا گیا افضل ترین جہاد کون سا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص کا جہاد جس کا گھوڑا کٹ مرے اور خود اس کا بھی خون گر جائے (یعنی وہ شہید ہوجائے)''۔

(مسند احمد، ج:۳۴، ص:۳۹۷، رقم الحدیث:۱۶۴۱۳۔ کنز العمال ج:۱، ص:۲۷ورجالہ ثقات)

''وَشَرْعًا بَذْل الْجهد فِي قِتَال الْكُفَّار''

''اور اصطلاحِ شریعت میں کفار سے قتال کرنے میں اپنی پوری طاقت کو استعمال کرنے کا نام جہاد ہے''۔ (الفتح الباری ج۸ص۳۶۵)

''بذل الواسع والطاقة بالقتال في سبيل الله عزوجل بانفس والمال وغير ذلك''

''اللہ کے راستے میں قتال کے لئے نفس، مال اور زبان وغیرہ کی پوری طاقت لگادینا''۔

(امام کاسانی، بداع ج:۹ص:۴۲۹۹)

کے ساتھ کہ خلافت کے قیام، شریعت کا نفاذ، فتنوں کو رفع کرنے اور غلبۂ دین حق کے لئے کارگر ثابت ہوسکتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے دین کی اقامت و حفاظت کا قیامت تک سب سے بڑا ذریعہ ''جہاد فی سبیل اللہ'' ہی کو قرار دیا ہے:

((عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَنْ يَبْرَحَ هَذَا الدِّينُ قَائِمًا يُقَاتِلُ عَلَيْهِ عِصَابَةٌ مِنْ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ))

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دین قائم رہے گا کیونکہ مسلمانوں کی ایک جماعت اس کے (قیام کے) لئے قتال کرتی رہے گی قیامت واقع ہونے تک"۔

(صحیح مسلم، ج:۱۰، ص: ۳۸، رقم الحدیث: ۳۵۴۶ ۔ کنزالعمال، ج: ۱۲، ص:۱۶۴، رقم الحدیث: ۳۴۴۹۵)

چناچہ حکم باری تعالیٰ بھی یہی ہے کہ:

﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾(سورۃ الانفال:۳۹)

"اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے"۔

چناچہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اس کو ان باتوں کی صحیح سمجھ دے دیتا ہے:

((مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَلَا تَزَالُ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ عَلٰى مَنْ نَاوَأَهُمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ))

"اللہ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ دیدیتا ہے اور (جو دین کو سمجھ گیا تو اس سے یہ بات مخفی نہیں کہ) قیامت تک مسلمانوں میں سے ایک جماعت حق پر لڑتی رہے گی اور اپنے سے الجھنے والوں پر غالب رہے گی۔"

(صحیح مسلم، ج:۱۰، ص:۴۱، رقم الحدیث:۳۵۴۹)

چناچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ اپنے ہاتھ میں قرآن اور تلوار کو لے کر یہ اصول واضح کر دیا:

((عن عمرو بن دینار قال رأیت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ وبیدہ السیف والمصحف وھو یقول: امرنا رسول اللہ ﷺ أن نضرب بھذا من خالف ما فی ھذا))

''عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو دیکھا اس حال میں کہ ان کے ہاتھ میں ''تلوار'' اور قرآن تھا اور انہوں نے کہا: ''ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم اس تلوار سے اُس کو ماریں جو اس قرآن کے خلاف چلے''۔

(کنز العمال، ج:۱، ص:۳۸۴، رقم الحدیث: ۱۶۶۴)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''دین حق کے لئے آسمانی کتاب کا ہونا ضروری ہے جو ہدایت کا روشن مینار ہو اور اس کتاب کی مدد کے لئے ''تلوار'' مدد گار ہو، اس کتاب اللہ میں اوامر و نواہی یعنی کرنے اور نہ کرنے کے احکامات ہوں گے اور ''تلوار'' برابر اس کی مدد اور تائید کرتی رہے گی''

(منہاج السنۃ، ج:۱ص:۱۴۲)

ایک اور جگہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فمن عدل عن الكتاب قوم بالحديد، ولهذا كان قوام الدين بالمصحف والسيف۔ وقد روي عن جابر بن عبد الله رضى الله عنهما قال: ((أمرنا رسول الله ﷺ أن نضرب بهذا)) يعنى السيف من عدل عن هذا يعنى المصحف''

''پس جو شخص کتاب اللہ کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرے، اُسے لوہے (یعنی تلوار) سے سیدھا کیا جائے، اس لئے کہ دین کا قیام، دین کی مضبوطی اور پائیداری کتاب اللہ اور شمشیر سے ہوتی ہے۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے: ((اَنْ نَضْرِبَ بِهَذَا)) ''یعنی تلوار سے اُسے ماریں جو قرآن سے منہ موڑے''۔(السياسة الشرعية: باب كيفية معرفة الأصلح في الولاية، ص۱۹)

(شیخ حمید اللہ برہان حفظہ اللہ کا کلام یہاں ختم ہوا)

☆☆☆☆☆

ہم اپنے کلام کو اللہ کی حمد و ثناء اور اس کے رسول ﷺ پر درود و سلام بھیج کر قرآن کریم کی اس آیت پر ختم کرتے ہیں:

﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا﴾

"اے نبی ﷺ! آپ کہہ دیجئے کہ حق میرے رب کی طرف آچکا ہے۔ سو اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ ہم نے (انکار کرنے والے) ظالموں کے لئے وہ آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں انہیں گھیر لیں گی"۔ (الکھف:۲۹)

اخوانکم فی الاسلام:

انٹرنیٹ ایڈیشن:

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

http://www.muwahideen.co.nr

http://www.tawhed.co.nr